نایاب جیلانی

دل ٹوٹ کے ہارا تھا

دوسری قسط

"جذبات کا اظہار انسان کو بے وقعت کردیتا ہے۔" کوئی اس کے کان پاس چلایا تھا۔ اس نے بے ساختہ اپنے دونوں ہاتھ کانوں پہ رکھ لیے تھے۔ وہ اس وقت کوئی بھی آواز سننا نہیں چاہتی تھی۔

"اور جذبات کا اظہار عزت نفس کی موت ہے۔" کسی نے پھر سے اس کی دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھ لیا تھا۔ اب کہ وہ چلا بھی نہیں سکی تھی۔ کسی نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ جذبات کا اظہار عزت نفس کی موت تھی۔ اور وہ خود اپنے ہاتھ سے اپنی عزت نفس کو پھانسی چڑھا آئی تھی۔ خود کو عون عباس کی نگاہوں میں دو کوڑی کا کر آئی تھی۔

اس کے پیچھے اب بھی آوازوں کا شور تھا۔ اور کوئی اب بھی اس کے پیچھے بھاگا بھاگا آرہا تھا۔ ماہ رو بلند آواز میں روتے روتے جیسے تھم گئی تھی۔ معاً کسی نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر چیختے ہوئے کہا تھا۔

"ماہ! یہ تم ہو ماہ! کہاں بھاگی جارہی ہو؟ تم نے یہ اپنی حالت کیا بنا رکھی ہے؟ تمہیں کیا ہوا؟" وہ ماہم تھی۔ اس کی سہیلی۔ فریحہ سے کچھ زیادہ اس کے بے انتہا قریب۔ اور اس وقت ماہ رو کی "حالت" کو دیکھ کر شاکڈ ہو رہی تھی۔

سرخ انگارہ دھلی ہوئی آنکھیں۔ بھیگی پلکیں، شدت ضبط سے سرخ پڑتا چہرہ۔ کانپتے ہونٹ، کپکپاتا وجود۔ وہ تو ماہ رو سرفراز نہیں کوئی ژولیدہ حال شکستہ دل بھکارن لگ رہی تھی۔ ماہم جیسے دھک سے رہ گئی تھی۔

"ماہ رو! تمہیں کیا ہو گیا؟" اس کا منہ بھی کھل گیا تھا آنکھیں پھٹ پڑی تھیں۔ اور ماہ رو جیسے اتنے دن اکیلے، تنہا ہر اذیت کا بوجھ سہہ سہہ کر تنگ آچکی تھی۔ تھک چکی تھی۔

اس کے دل پہ بہت بوجھ تھا۔ اسے اپنے دل کو اس بوجھ سے آزاد کرنا تھا۔ وہ فٹ پاتھ پہ ہی ماہم کے گلے سے لگی اور چیخ چیخ کر رونے لگی۔ ماہم کچھ اور بوکھلا گئی تھی۔ آخر کیا ہوا تھا؟ ماہ رو کو اس کے ابراڈ جانے کے دوران ماہ رو پہ کیا کچھ بیت گیا تھا اسے خبر ہی نہیں ہو سکی تھی۔

"مجھے روگ لگ گیا ہے۔" ماہ رو نے کتنی ہی دیر بعد بمشکل سنبھل کر جواب دیا تھا۔ ماہم کچھ اور ہکا بکا ہو گئی تھی۔ آخر یہ ماہ رو کس قسم کی باتیں کر رہی تھی۔

"کیسا روگ؟ اور یہ تم کیسی عجیب باتیں کر رہی ہو۔؟" ماہم نے بوکھلا کر دوبارہ پوچھا۔

عون عباس کی وہ دھیمی سلگتی چنگھاڑ میں کہا گیا لفظ "گو" اس کی روح کو دہکتے کوئلوں پہ گھسیٹ رہا تھا۔ آفس کا دروازہ کھول کر ماہ رو کو باہر نکل جانے کا اشارہ کرنا۔ وہ عمر بھر چاہتی بھی تو اس ذلت اور صدمے کو نہیں بھلا سکتی تھی۔ وہ اس کی زندگی کا پہلا کرش تھا۔ کبھی نہ بھولنے والا۔ کیا وہ سمجھ رہا تھا۔ ماہ رو کوئی کریکٹر لیس بگڑی ہوئی امیر زادی تھی۔ جو محبت کے نام پر۔ اسے لبھانے آئی تھی۔ اس کی شاندار پرسنالٹی پہ مٹ گئی تھی۔

کیا ماہ رو نے خوب صورت مرد نہیں دیکھے تھے؟ کیا عون عباس دنیا کا پہلا اور آخری خوب صورت مرد تھا؟

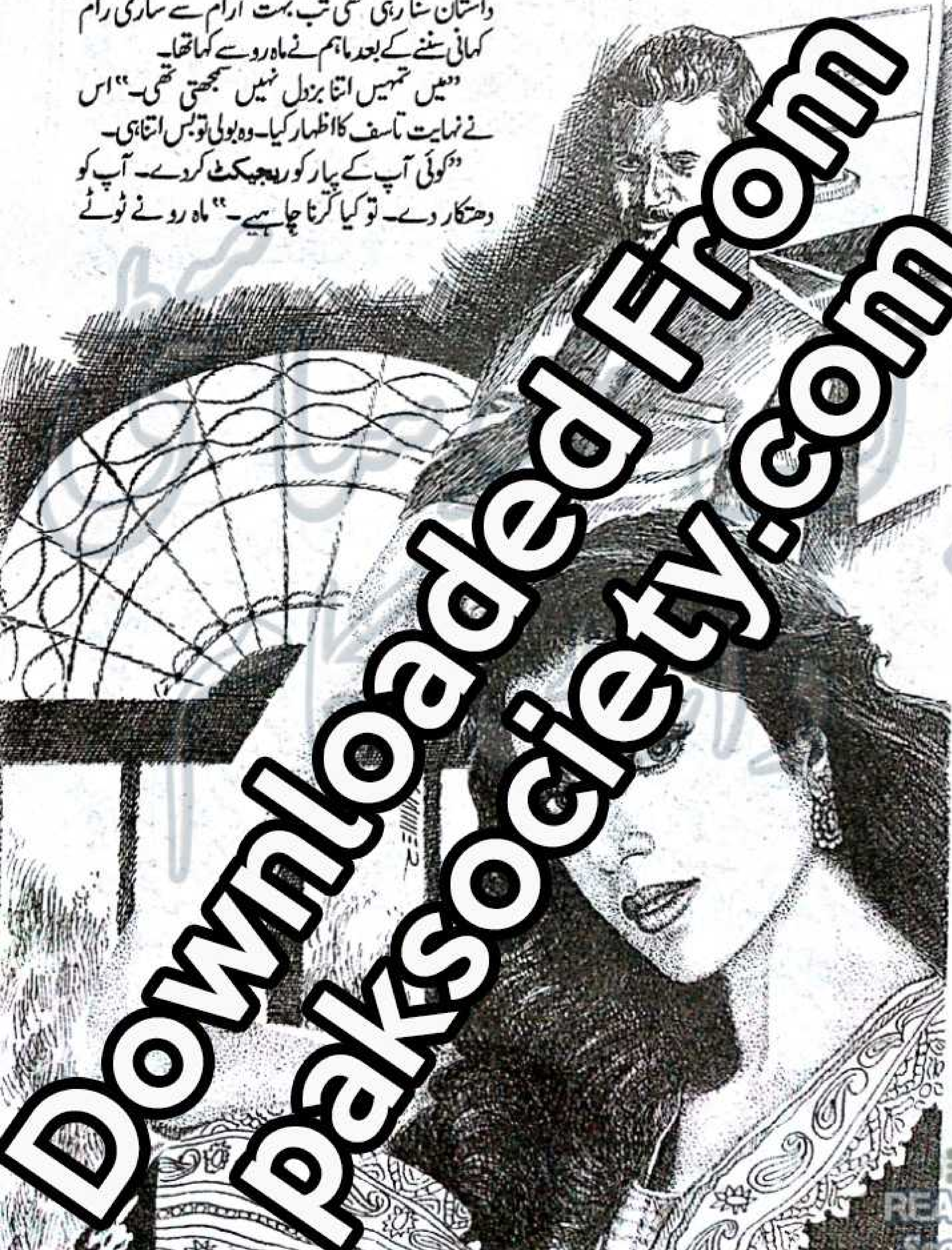
ہرگز نہیں۔ قطعاً" نہیں۔ ماہ رو نے اپنی زندگی میں بہت سحر طراز چہرے بھی دیکھے تھے۔ لیکن کوئی اسے اس طرح اسیر نہیں کرسکا تھا۔ کوئی اسے دیوانگی کی اس حد تک نہیں لاسکا تھا۔

یوں عون عباس وہ پہلا اور آخر کا مرد تھا جس سے ماہ رو سرفراز نے محبت کی تھی۔ ایسی محبت جو اسے شاہانہ انداز میں رسوا کررہی تھی۔

جب وہ ماہم کو اپنے دل پر گزرنے والی حکایت کی داستان سنا رہی تھی تب بہت آرام سے ساری رام کہانی سننے کے بعد ماہم نے ماہ رو سے کہا تھا۔

"میں تمہیں اتنا بزدل نہیں سمجھتی تھی۔" اس نے نہایت تاسف کا اظہار کیا۔ وہ بولی تو بس اتنا ہی۔

"کوئی آپ کے پیار کو ریجیکٹ کردے۔ آپ کو دھتکار دے۔ تو کیا کرنا چاہیے۔" ماہ رو نے ٹوٹے



پھوٹے لفظ لبوں سے ادا کیے تھے۔ اس کا لہجہ نہایت دھیما اور پرسوز قسم کا تھا۔
"کم از کم شکست تسلیم کر کے تمہاری طرح رونا نہیں چاہیے۔" ماہم کا انداز سابقہ ہی تھا۔ ہنوز خفگی میں لپٹا۔ وہ اس کے رونے دھونے پر سخت مشتعل ہوئی تھی۔ کوئی اتنا بھی کم ہمت اور بزدل ہوتا ہے؟ ماہم اس کی جگہ ہوتی تو کم از کم اس کی عقل ضرور ٹھکانے لگا کر آتی؟ کوئی اتنا احمق اور اندھا بھی ہو سکتا ہے؟" جو ماہ رو جیسی لڑکی کو ٹھکرا دے۔ ماہم کو یقین ہی نہ آیا۔
"تو؟" ماہ رو نے ہونق پن سے گہری افسردگی بھری سانس خارج کرتے ہوئے کہا تھا۔
"تو یہ کہ ڈفر رنسز! اس فولش ٹائپ فیز سے نکلو۔ خود کو فریش کرو۔ بحال کرو، تم ماہ رو سرفراز ہو۔ ڈنکے کی چوٹ پہ محبت کرنے والی۔ تمہیں گھٹ گھٹ کر مرنے کی ضرورت نہیں۔ تم اسے چاہتی ہو۔ کیا اس کے لیے" یہ اعزاز کیا کم ہے؟ مل اونر سرفراز احمد کی بیٹی اسے چاہتی ہے۔
کیا مڈل کلاس لڑکیوں کی طرح آنسو بہا رہی ہو۔ اس نے تمہیں ایک سنائی تھی۔ تم دس سناتیں۔ اور محبت کرتیں ببانگ دہل۔ وہ مانتا یا نہ مانتا، چاہتا یا نہ چاہتا۔ لیکن اسے ہماری ماہ رو کو رلانے کا کوئی حق نہیں تھا۔" ماہم ایک ہی سانس میں متواتر بولتی چلی گئی تھی۔ ماہ رو نے ایک گھٹا گھٹا سانس کھینچ کر باہر نکالا۔
"کیا یہ ممکن تھا؟" اس کے لہجے اور آواز میں مایوسی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ ماہم نے تنگ کر کہا۔
"کچھ بھی ناممکن نہیں۔ اس دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں۔ آسمان اس پرندے کا نہیں ہوتا۔ جس کے پر بڑے ہوتے ہیں۔ بلکہ آسمان اس پرندے کا ہوتا ہے۔ جس میں قوت پرواز ہو" ماہم کا انداز گہرا ناصحانہ تھا۔ تحریک دلانے والا۔ حوصلہ بلند کرنے والا۔ ماہ رو کو اپنے اندر ایک نئی روح اترتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ ایسی تو نہیں تھی۔ پہلی ٹھوکر پر ہی اٹھ نہ سکتی۔ ایک مرتبہ پھر محبت کا کشکول لے کر عون عباس کے پاس نہ جاتی بلکہ پورے استحقاق سے محبت وصول کرتی۔

زبردستی، اعلانیہ، ڈنکے کی چوٹ پہ، اپنی ہمت کے بل بوتے پہ۔ ماہم نے اس کے اندر مرجھائے اعتماد اور اس کی ول پاور کو پالش کر دیا تھا۔
"تم ریفائن منٹ اسکوائر میں عون عباس کی زندگی میں تہلکہ مچا سکتی ہو۔ اس کے غرور، اکڑ، نخوت اور میں کو توڑ سکتی ہو۔ اس کے اعتماد کو ڈیس ٹرائڈ (تہس نہس) کر سکتی ہو۔ اور تمہیں ایسا کرنا ہوگا۔ اس کا بی ہیویئر تمہارے لیے انسلٹنگ تھا۔ بے انتہا انسلٹنگ، کیا سوچ کر اس نے تمہاری توہین کی۔ تمہیں ڈی گریڈ کیا۔ اسے بدلے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔" ماہم کا لہجہ بے حد روکھا اور روڈلی قسم کا تھا۔ جس میں عون عباس کے لیے ذرا بھی نرمی کی گنجائش نہیں تھی۔
ماہ رو کا دل جیسے رک رک کر چلنے لگا۔ دھڑک دھڑک کرر کنے لگا۔
"پلیز نہیں۔ میں عباس کو تکلیف نہیں دے سکتی۔" اس نے ماہم کے بدلے والے آپشن کو ریجیکٹ کر دیا تھا۔ ہاں وہ اپنی محبت پانے کے لیے ہر حد سے گزر سکتی تھی۔ اور آخری سانس تک اسٹرگل کر سکتی تھی۔ اتنا پوچھنے کا حق تو محفوظ رکھتی تھی۔ وہ اسے ایک مرتبہ نہیں کئی مرتبہ صدا دے کر روکے گی۔ اسے مڑنے پہ مجبور کرے گی۔ ماہم اس کے تاثرات دیکھ رہی تھی جہاں نئی امید اور حوصلہ جگمگاتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اس کا ایک ایک تاثر پڑھ رہی تھی۔ پھر گہرا سانس کھینچ کر سر جھٹکتے ہوئے بولی۔
"خاصی ٹف اسائنمنٹ ہے ماہ رو! مجھے امید ہے تم اسے حل کر سکتی ہو۔" وہ اس کا گال تھپتھپا کر مسکرا رہی تھی۔
"کیا تم نے سنا نہیں، جب حسن تقریر کرنے لگتا ہے تو بڑے بڑے زبردست فصیح مقرر گونگے ہو جاتے ہیں۔" ماہم نے بڑے انداز میں بڑے کام کا فلسفہ جھاڑا تھا۔ وہ ابراڈ سے آکر خاصی سمجھدار ہو گئی تھی۔ ماہ رو کو مانتے ہی بنی۔
"تو اس کا مطلب ہے۔۔۔؟" ماہ رو کی آنکھوں میں

چمک بڑھ گئی تھی۔
"اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ارادے کا پکا ہو وہ دنیا کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکتا ہے۔" ماہم نے اس کا کندھا بھی تھپتھپا دیا تھا۔ اس کے اندر ایک امید' ایک تحریک رواں ہو گئی تھی۔ وہ کچھ دیر پہلے ملنے والی ذلت کو بھول گئی تھی۔

اسے عون عباس کو ہر قیمت پر پانا تھا۔ چاہے دل جاتا یا چاہے جان بھی چلی جاتی۔

خلیل جبران نے ٹھیک کہا تھا۔ بالکل ٹھیک کہا تھا۔

"محبت طویل قربتوں کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ وحی کی طرح کسی لمحے میں ہمارے دلوں میں اتر جاتی ہے۔"

محبت کوئی الہامی طاقت تھی جو خدا کی طرف سے دلوں میں پیوست ہو جاتی اور عمر بھر کے لیے اپنا ٹھکانا بنا لیتی۔ کبھی نہ نکلنے کے لیے کبھی نہ چھوڑنے کے لیے۔ اس نے محبت کا ان دنوں فلسفہ اور نصاب پڑھنا شروع کیا تو جانے کون کون سے انکشافات کے در وا ہوئے تھے۔ اس کا جی چاہتا۔ وہ دن بھر محبت کے پھول کاڑھے اور رات بھی اس کی ردا اوڑھ کر سوتی رہے۔ کتنی مٹھاس تھی اس لفظ محبت میں۔

گو کہ محبت کتنی آنکھوں کے آنسو پیتی ہے' پھر بھی یہ کھاری بدذائقہ نہیں ہوتی۔ لوگ اسے امرت سمجھ کر پی لیتے ہیں۔ جیسے اس نے امرت سمجھ کر محبت کے جام کو پی لیا تھا۔ اور اب ایک بے سکونی تھی۔ جو رات دن گھیر میں لیے پھرتی تھی۔ لیکن اس بے چینی کے گھیر میں ایسا لطف تھا۔ ایسا مزہ تھا جو وہ اس مدار کو عمر بھر چھوڑنے کی ہمت نہ کرتی۔ ہمیشہ اسی مدار میں رہتی۔

ان دنوں ماہ رو کی ساری بیرونی سرگرمیاں ٹھپ پڑی تھیں۔ وہ باقاعدہ کلب جایا کرتی تھی۔ ایکسرسائز کرتی تھی۔ جم جوائن کر رکھا تھا۔ اسپورٹس میں فٹنس کے لیے حصہ لیتی تھی۔ لیکن آج کل ہر ایکٹیوٹی سے ناطہ توڑ رکھا تھا۔ اس کا پورا وقت ماہم کے ساتھ گزر رہا تھا۔ ماہم کے آجانے سے وہ تروتازہ ہو گئی تھی۔ اس دن لان میں ٹینس کھیلتے ہوئے ماہم کو اچانک فریحہ کا خیال آگیا۔

"تمہاری وہ سو کالڈ فرینڈ کہاں ہے آج کل؟ کافی دنوں سے اس کا ذکر نہیں سنا۔ ورنہ تم تو فریحہ نامہ کھول بیٹھو تو بند ہی نہیں کرتیں۔" ماہم نے ریکٹ ہوا میں اچھالتے ہوئے اچانک پوچھا تھا۔ ماہ رو کو بھی فریحہ کے ساتھ ایک ستم گر بھی یاد آگیا تھا۔ گو کہ ماہم جانتی تھی کہ عون عباس فریحہ کا کزن ہے تاہم وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ لوگ اکٹھے رہتے ہیں۔

"میں نے کال پہ کافی دفعہ ٹرائی کیا ہے۔ وہاں کوئی کال پک نہیں کرتا۔ ایک دن ملازمہ نے اٹھایا تھا۔ فریحہ لوگ کچھ خاص مصروفیت میں ہیں۔ میں نے تفصیل نہیں پوچھی تھی۔ گھر اس لیے نہیں جاتی۔ عباس کی فیملی بھی وہیں ہوتی ہے۔ ان کا جوائنٹ فیملی سسٹم ہے۔ میں نہیں چاہتی' عباس سے دوبارہ سامنا ہو۔" ماہ رو نے ایک افسردہ سانس فضا کے سپرد کرتے ہوئے آرام سے بتایا تھا۔ وہ ماتھے پہ بندھا ہیئر بینڈ اتار کر لان چیئر پہ ڈھے گئی تھی۔ ماہم بھی ریکٹ گھاس پہ لڑھکا کے ٹیبل تک آئی۔ فریش جوس گلاسوں میں ڈال کر اس نے ماہ رو کے سامنے نشست سنبھال لی تھی۔

"ایک مرتبہ پھر کی تم نے بزدلوں والی بات۔" ماہم نے اسے بے ساختہ ٹوکا تھا۔

"تو کیا منہ اٹھا کر اس کے گھر جاتی رہوں۔ بغیر کسی بہانے کے۔ جبکہ فریحہ میرے لاکھ کہنے پہ بھی یہاں نہیں آتی۔" ماہ رو نے اس کا بڑھایا ہوا جوس کا گلاس پکڑ لیا تھا۔

"اوہوں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "میرا یہ مطلب بھی نہیں تھا۔ اینی وے' فریحہ کو چھوڑو۔ اس کے کزن تک آؤ۔ عباس کا کوئی کانٹیکٹ نمبر ہے۔؟"

"نہیں۔" ماہ رو مایوسی سی بولی۔ ماہم جیسے چیخ پڑی تھی۔ کانٹیکٹ نمبر بھی نہیں؟ فریحہ کے گھر گھاس چرنے جاتی رہی ہو۔؟ بہانے سے عباس کا نمبر تو اڑا لیتی۔ حد ہے یار! یہ انیس سو ساٹھ والی محبت کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔" ماہم نے اسے آنا" فانا" لتاڑ کر رکھ دیا تھا۔

"فریحہ سے کس طرح مانگتی؟ تم بھی نا۔ اور ویسے بھی میں عباس کی غیر موجودگی میں جاتی تھی۔" ماہ رو نے خفگی سے بتایا تھا۔

"اس کی بہن سے لیتی۔ کیا نام ہے؟ کائنات۔" اس نے سوچ کر جھٹ سے کہا تھا۔ ماہ رو نے اسے گھور کر دیکھا۔

"تاکہ اس کی فیملی میں سب کو شک ہو جاتا۔" اسے ماہم کی عقل پہ تاؤ آیا تھا۔ بڑا کمال کا مشورہ دے رہی تھی۔

"او مائی گڈنیس تم کس صدی میں اچانک پلٹ گئیں ماہ رو سرفراز! یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔ یہ خط اور رقعہ بازی کا زمانہ نہیں۔ انٹرنیٹ کا جدید دور ہے۔ جو کام زبان نہیں کرتی' وہ موبائل کرتا ہے۔ ایک ایس ایم ایس پوری قیامت اٹھا لاتا ہے۔ جو کام زبان سے لے رہی تھیں۔ وہ موبائل سے لیتیں۔ آخر پتھر میں سوراخ ہو ہی جاتا۔ کالز' میسجز' چیٹ' وہ کب تک ایوائڈ کر سکتا تھا؟" ماہم نے ایک مرتبہ پھر اسے بری طرح لتاڑ دیا تھا۔

"تم ٹھیک کہتی ہو۔" ماہ رو نے تسلیم کر لیا۔ "ویسے ایک بات تو بتاؤ۔ محبت میں پہل کس کو کرنی چاہیے۔ مرد یا عورت؟" بڑے دنوں سے کلبلاتا ایک سوال وہ ماہم سے پوچھ بیٹھی تھی۔ کیونکہ وہ خود سے زیادہ ماہم کو عقل مند سمجھتی تھی۔ کچھ دیر کے بعد ماہم سوچ میں پڑ گئی۔

"ان فیکٹ' مرد کو۔ عورت کو نہیں۔ بٹ تمہاری پچویشن الگ ہے۔ تم ون سائیڈڈ کا شکار ہو۔ یہاں تمہیں پہل کرنا چاہیے تھی۔ تاکہ دوسری طرف کے اموشنز تک رسائی حاصل ہو جاتی۔ سو تم گلٹی فیل مت کرو۔" ماہم نے اسے اپنی سمجھ کے مطابق سمجھایا تھا۔ ماہ رو بھی کچھ مطمئن ہو گئی۔ ان کی سوسائٹی میں اظہار محبت ٹائپ چیزیں معیوب نہیں سمجھی جاتی تھیں۔ یہ ایک عام روٹین ورک تھا۔ کسی سے پیار ہونا' شادی کرنا اور پھر طلاق کی خبر بھی سن لینا۔

"و کبھی کبھی میں گلٹ فیل کرتی ہوں۔ مجھے لگتا ہے عون عباس ایسا بندہ نہیں تھا۔ جسے کوئی بھی منہ اٹھا کر آئی لو یو بول دیتا۔ میں اس کے لیے انجان تھی۔ ہم ایک دوسرے کو جانتے تک نہیں تھے۔ پھر میں نے اچانک ایک ایسی بات کہی جو اس کے تصور میں ہی نہیں تھی۔ آئی تھنک میں نے ایک مناسب بات کو ایک غیر مناسب پچویشن میں بے مول کر کے ناکارہ کر دیا ہے۔ میں اپنے لفظوں کی قیمت کھو چکی ہوں۔" ماہ رو نے افسردگی بھرے لہجے میں اپنے اندرونی خیالات اور بے چینی کی گانٹھ کھولی تھی۔

"یو ڈونٹ وری' تم الٹا سیدھا کچھ مت سوچو۔ جو تم نے کیا بہتر کیا۔ اس تک اپنے خالص جذبے پہنچا دیے۔ وہ عقل مند ہوا تو ان کی قدر کرے گا۔ پذیرائی کرے گا۔ ویسے بھی تم اس سے محبت کرتی ہو۔ وہ تو انجان ہے۔ کیونکہ اس کے جذبات تمہارے لیے ایسے نہیں۔ عباس کو الہام تو ہونا نہیں تھا۔ تم بتاتی تو اسے پتا چلتا۔ اگر انیس سو ساٹھ کی ہیروئن بنی رہتیں تو وہ کسی اور کو ڈولی میں بٹھا کر گھر لے آتا۔ اور تم دل میں عباس کو بسا کر کسی بزنس مین کے روز و شب تباہ کرتیں۔ میرے نزدیک تو یہ صاف رگنگ ہے۔ انتہائی دہرا پن۔ کھلی منافقت۔ شفاف دھوکا۔" ماہم نے جوس کا گلاس خالی کر کے ہاتھ جھاڑ لیے تھے۔ اس نے حتی المقدور ماہ رو کے اندر سے گلٹ اکھاڑنے کی کوشش کی تھی۔

"تم نے سنا نہیں۔ کسی ایسی خواہش کے پیچھے بھاگنا فضول ہے۔ جس کے نہ پورا ہونے کا گمان ہو۔ لیکن کسی ایسی خواہش کے پیچھے بھاگنا سود مند ہے۔ جس کے پورا ہونے کا قوی یقین ہو۔" ماہم نے ایک مرتبہ پھر اس کا شانہ تھپتھپا کر امید دلائی تھی۔ ماہ رو کے ہونٹوں پہ بھولی بسری مسکان اتر آئی۔

"ماہم! یو آر گریٹ! مجھے یقین آگیا۔ کامیابیاں حوصلوں سے ملتی ہیں۔ حوصلے دوستوں سے ملتے ہیں اور دوست مقدروں سے ملتے ہیں۔ اور مقدر انسان خود بناتا ہے۔" اس کے اندر تر و تازگی کی لہر پھیل رہی تھی۔ یہ امید صبح جمال تھی۔ جس کے طلوع ہونے پہ

سویرا ہر سو سنہرا پن بکھیر دیتا ہے۔ روشنی کرنوں کو بھی جگمگاتی ہے۔

☼ ☼ ☼

آج شام کو مایوں کی رسم تھی۔ گھر میں مہمانوں کی چہل پہل سے خوب رونق کا سماں تھا۔ اس کی کچھ کزن نے تو ڈھولکی منگوا کر رکھ لی تھی۔ ہر روز ڈھولک پر گانوں کی پریکٹس ہوتی تھی۔ عامر' یاسر' عاشر بھی شریک ہو جاتے۔ پھر اتنا ہنگامہ بپا ہوتا کہ حد نہیں۔ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ مہمانوں کے آنے سے گھر سچ مچ شادی والا گھر لگنے لگا تھا۔ ایک دم مصروفیت بڑھ چکی تھی۔ فریحہ کو ان دنوں کاموں سے آزادی تھی۔ سو وہ بور ہو ہو کر تھک چکی تھی۔ تائی اور امی اسے کچن میں بھی نہیں جانے دیتی تھیں۔ کزنز سب کائنات کے ساتھ مل کر یا تو اپنا حسن نکھارتیں یا لڈو کھیلتیں یا شطرنج کی بساط بچھ جاتی اور یا پھر گانوں پہ تانیں لگائی جاتی تھیں۔ غرض ان میں سے کسی کے پاس بھی فریحہ کے لیے وقت نہیں تھا۔ ان دنوں اسے شدت سے ماہ رو یاد آ رہی تھی گو کہ ماہ رو کی بہت سی فرینڈز تھیں تاہم فریحہ نے صرف ماہ رو کو ہی اپنا دوست بنایا تھا۔ ان کی دوستی کا ایک اصول یہ بھی تھا کہ وہ دونوں ہی اپنے گھر اور گھریلو باتوں کو ڈسکس نہیں کرتی تھیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے بارے میں اتنا کچھ نہیں جانتی تھیں۔ فریحہ کو ماہ رو کے بارے میں اتنا پتا تھا کہ وہ ایک بڑے مل اونر کی اکلوتی بیٹی تھی' بہت شوخ مزاج' کچھ نخریلی' مغرور اور ہلے گلے کی شوقین اور ماہ رو کو ہمیشہ سنجیدہ مزاج فریحہ کو اپنے دل کے قریب لگی تھی۔

اسے یاد تھا جب پہلی مرتبہ فریحہ ماہ رو کو گھر لے کے آئی تھی پورا گھرانہ اسے دیکھنے کے لیے اکٹھا ہو گیا تھا۔ کائنات اور اس کی بھابیاں تو ماہ رو کے نام کی مالا جپتی تھیں۔ حتی کہ تائی اور تایا بھی ماہ رو سے بڑی محبت سے پیش آتے تھے۔ ان چند دنوں میں ہی ماہ رو ان کے گھر میں مقبول ہو گئی تھی۔ جب وہ نہیں آتی تو ثنا' مریم اور کائنات فریحہ کا سر کھا لیتی تھیں۔ تب پہلی مرتبہ فریحہ کو اس کی امی نے ماہ رو کو یہاں بلانے پہ ٹوک دیا تھا۔ وہ تب امی کی بات میں اتری گہرائی کو سمجھ نہیں پائی تھی' لیکن جب ماہ رو کا اس گھر کے چند افراد سے التفات معنی خیز حد تک بڑھ گیا تھا تب فریحہ کی امی نے اسے بے انتہا گھرک کر منع کیا۔

''ماہ رو کو یہاں مت لایا کرو۔ میں نے تمہیں کتنی مرتبہ سمجھایا ہے۔'' امی کا لہجہ دبا دبا غصیلا تھا۔ جیسے وہ بہت پہلے ہی آنے والے برے وقت کی آہٹیں پا چکی تھیں۔ تب تک فریحہ کو بھی ماہ رو کا یہاں اس قدر تسلسل سے آنا جانا کھٹک گیا تھا۔ وہ خود اس صورت حال پر گھبرانے لگی تھی۔ کیونکہ ماہ رو کا التفات تایا کی فیملی سے دن بدن بڑھتا جا رہا تھا۔

''امی! میں اسے نہیں بلاتی۔ وہ خود ہی بہانے سے آجاتی ہے۔ شاید وہ اپنے گھر کی تنہائی سے تنگ آچکی ہے۔ اسے یہاں اپنائیت بھرا ہلے گلے والا ماحول ملتا ہے شاید اسی لیے۔'' وہ چاہ کر بھی منفی خیالات کو اپنے دماغ میں جگہ نہیں دینا چاہتی تھی۔ وہ امی کے وسوسوں کو اپنے دل میں نہیں گھسانا چاہتی تھی۔ امی نے اس کی بات سن کر ترشی سے کہا۔

''امیروں کو تنہائی کی کیا پروا... جب چاہا' باہر نکلے' گھومے پھرے' ہوٹلنگ' شاپنگ کی اور دن گزار لیا۔'' ان کا موڈ خراب تھا۔ ''سہیلی تمہاری اور بہناپہ ان کے ساتھ۔''

''وہ میرے توسط سے تو آتی ہے۔'' فریحہ منمنائی تھی۔

''آخر پہلے کیوں نہیں آتی تھی؟'' امی کا انداز سوچتا ہوا کچھ کچھ طنزیہ قسم کا تھا اور یہاں پہ ماہ رو کے لیے اس کی ساری وکالت دھری کی دھری رہ جاتی تھی۔ فریحہ حیران ہوتی تھی۔ واقعی ماہ رو پہلے بھی اتنی ضد کر کے کیوں نہیں اس کے گھر آتی تھی؟ آخر اس دن ہوا کیا تھا؟ اس بھری دھوپ میں کون سی ایسی مقناطیسی کشش تھی جب ماہ رو ان سب کے ساتھ برج' فیشن زون' آؤٹ فٹ اور رحمان پلازہ میں خوار ہونے کے

باوجود گھر چلی آئی تھی۔ وہ بھی بضد اصرار۔ بہت شوق اور چاہ میں۔

اگر فریحہ پچھلے کچھ عرصے پہ نگاہ دوڑاتی اور اس دھوپ بھری دوپہر کو یادداشت کے ہر کونے سے کھنگال کر سامنے لاتی تو اسے اس بھری دوپہر میں ماہ رو کے بدلتے انداز اور چہرے میں کچھ غیر معمولی پن ضرور دکھائی دیا تھا۔ ہاں تب فریحہ نے محسوس نہیں کیا تھا۔ غور بھی نہیں کیا تھا۔ حالانکہ تب گھر آتے ہوئے وہ زبردستی اسے ڈراپ کرنے آئی تھی اور برابر اس کے بارے میں چھوٹی سے چھوٹی بات کرید رہی تھی حالانکہ پہلے ایسا ہرگز نہیں تھا۔ اس نے تو کبھی یہ پوچھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا کہ فریحہ کے بہن بھائی کتنے ہیں؟ پھر اچانک ماہ رو کو کیا ہوا؟

لیکن وہ اچانک بھی نہیں تھا۔ ماہ رو برج، فیشن زون اور آؤٹ فٹر سے لے کر رحمانی پلازہ پہنچنے تک بے زار دکھائی دی تھی۔

لیکن یہ بے زاری اسی وقت ختم بھی ہوگئی جب.....

جب؟ اور جب فریحہ کو اپنے رحمان پلازہ آنے کی وضاحت دینا پڑی تھی۔ کسے وضاحت دینا پڑی تھی؟ یہ تو کچھ بھی ڈھکا چھپا نہیں تھا۔ رحمان پلازہ میں اسے ڈانٹنے اور سخت سست سنانے کی جرات کرنے والا صرف عون عباس تھا۔ جسے اپنے گھر کی خواتین کا پلازہ میں آنا کبھی گوارا نہیں ہوتا تھا۔ اور اس چھوٹی سی جھڑپ کے بعد عون چلا گیا تھا جب تک وہ وہاں رہا تھا اس کی ماہ رو والی سائڈ طرف پشت تھی۔ ہاں بڑے بڑے خوب صورت آئینوں میں عکس ضرور واضح ہوتا تھا۔ اس کے چلے جانے کے بعد ماہ رو کے ساتھ جو بھی ہوا وہ حیران کن تھا۔ ماہ رو کی بے زاریت ختم ہوگئی تھی۔ اس کا اتنی گرمی میں ان سب کے ساتھ معمولی شاپنگ کا حصہ بننا اور اس بات پہ غصہ کرنا بھی ختم ہوگیا تھا۔ ماہ رو کے موڈ میں واضح تبدیلی آئی تھی۔ اس تبدیلی کو سمیرا اور ہما وغیرہ نے محسوس نہیں کیا تھا بلکہ اس وقت فریحہ نے بھی محسوس نہیں کیا تھا۔

لیکن آج اپنی مایوں سے پہلے اس ستاروں بھری شام میں وہ بے دریغ ماہ رو کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اس کے ایک ایک بدلے انداز کو، اس کے ایک ایک سابقہ انداز کو۔ وہ پہلے اور اب والی ماہ رو کا تقابلی جائزہ لے رہی تھی۔ اس میں کہاں کہاں بدلاؤ آیا تھا؟ وہ سوچتی رہی، سوچتی رہی اور ایک دم جیسے ششدر رہ گئی۔ ماہ رو تو سرتاپا بدل چکی تھی۔ وہ پہلے والی غرور کا مرقع بنی ماہ رو سے کس قدر مختلف ہو چکی تھی جو فریحہ کے گھر میں اس کی عام سی کزنز اور بھابیوں میں بیٹھ کر معمولی گوسپ پہ خوش ہوتی تھی اور قہقہے لگاتی تھی۔ آخر کیوں؟ کس لیے؟ اس کے "بدلاؤ" کی وجہ کیا تھی؟ فریحہ کا سوچ کی اس انتہا پہ جیسے دل بند ہونے لگا تھا۔

وہ اس وقت کوئی بھی منفی بات سوچنا نہیں چاہتی تھی، لیکن کچھ تو تھا جو من کو بے قراری کے پھیر میں گھبرانے پہ مجبور کر رہا تھا۔ پھر جب فریحہ نے مایوں کا لباس زیب تن کر لیا اور تائی اس کی بلائیں لیتی اچانک کچھ یاد آنے پہ چونک گئی تھیں۔ انہیں ویسے اچانک خیال ہرگز نہیں آیا تھا وہ تین چار مرتبہ پہلے بھی پوچھ چکی تھیں۔

"فری! تم نے ماہ رو کو نہیں بلایا.....؟ وہ کیوں نہیں آرہی..... اس کا نمبر بھی بند ہے۔ وہ ٹھیک تو ہے نا.....؟"

جس قدر ماہ رو اس گھر میں تیزی کے ساتھ اپنی جگہ بناتی مقبول ہوگئی تھی سو اس کا اچانک بلاوجہ ہی تعلق ختم کر لینا سب کے لیے اچنبھے کا باعث تھا اور تائی تو کچھ زیادہ ہی ماہ رو کے لیے کانشس ہو رہی تھیں۔

"میں نے بھی کال کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کا نمبر بند ہے۔" فریحہ کو بھی یہی بہانہ سوجھا تھا۔ وہ بتا نہیں سکی تھی کہ امی نے اس سے بات چیت کرنے سے منع کر رکھا ہے۔

"تو پھر تم عاشر کے ساتھ جا کر خود شادی کا کارڈ دے آتیں۔ اتنی پیاری تو بچی ہے۔ کیسے ہم میں گھل مل گئی تھی۔ ذرا بھی نخریلی نہیں..... دیکھو تو دل خود بخود خوش ہو جائے۔ ماشاء اللہ ایسی موہنی صورت کہ نظر نہ ہٹے..... یہ کائنات وغیرہ کا تو اس پہ دل آگیا تھا۔ میں بھی

چاہتی تھی کہ عاشر سے..." وہ بولتے بولتے اچانک امی کی مداخلت پہ لمحہ بھر کے لیے رک گئی تھیں۔ ورنہ وہ روانی میں ضرور کہہ جاتیں کہ ان کا ارادہ عاشر کے لیے اس کا رشتہ مانگنے کا تھا۔ امی بھی ان کی ادھوری بات کا مفہوم سمجھ گئی تھیں۔

"وہ تو باہر چلی گئی بھابھی! امیر لوگ ہیں آج ادھر تو کل سیرو تفریح کے لیے ملک سے باہر۔ اسی لیے رابطہ بھی منقطع ہے۔ پہلے پہل تو وہ باہر سے بھی کال کر لیتی تھی۔ جانے زیادہ مصروف نہ ہو۔" امی کے بروقت ٹھوس قسم کے بہانے پہ فریحہ لمحہ بھر کے لیے چپ سی کر گئی تھی۔ امی کا یہ جھوٹ اگر کھل جاتا؟ ماہ رو آج ہی اگر اچانک آجاتی؟ کیونکہ وہ فریحہ کے گھر ہمیشہ اچانک ہی آتی تھی۔ اگر اسے سمیرا وغیرہ فریحہ کی شادی کے متعلق بتا دیتیں تو وہ ماہ رو کو نہ بلانے کا کیا جواز پیش کرتی؟

"اور بھابھی! کہاں ماہ رو' مل اونر کی بیٹی اور کہاں ہم درمیانے درجے کے کاروباری لوگ۔ بھلا ہمارا اور ماہ رو کی فیملی کا کیا مقابلہ۔ اچھا کیا آپ نے عاشر کا رشتہ مانگ کر بات نہیں گنوائی۔ بھلا ماہ رو کا ہمارے ساتھ کوئی جوڑ بنتا ہے؟ اس کا باپ تو دو ٹوک انکار کر دیتا۔ یہ تو چھوٹا منہ اور بڑی بات والا معاملہ ہو جاتا تھا۔" امی اپنی بیٹی کے لیے ڈھال بننے کی کوشش میں اپنے ماں ہونے کا پورا پورا حق نبھار ہی تھیں۔

"میرے عاشر میں بھلا کیا کمی ہے؟ وہ تو خود ہی چھری تلے نہیں آرہا۔ اتنے رشتے آرہے ہیں۔ وہ مانتا ہی نہیں جانے کہاں دل اٹکا رکھا ہے۔ کچھ بھاپ بھی نکالے تو تب نا۔" تائی کچھ آبدیدہ سی ہو گئی تھیں۔ کیونکہ عاشر کا معاملہ ہمیشہ کھٹائی میں رہا تھا۔ لاکھ فرمانبرداری کے باوجود وہ ہرگز بھی شادی کے لیے نہیں مان رہا تھا۔ نہ اپنی پسند بتا تا تھا' نہ ان کی پسند پہ حامی بھرتا تھا۔ بس ایک ہی بات کہتا۔

"آپ عون کی شادی کر دیں... میں اس کے بچوں کا چاچا بن کر ہی خوش ہو تا رہوں گا۔" جانے اس کے من میں کیا تھا۔ اور اس وقت عاشر کی اچانک آمد نے تائی کو ماہ رو کو بلانے والے موضوع سے ہٹا دیا تھا۔ فریحہ نے دل ہی دل میں سکھ کا سانس لیا۔

"یہ میرے خلاف کیا پروپیگنڈا ہو رہا ہے؟" فریحہ پہ ایک اچٹتی نگاہ ڈال کر وہ ماں سے مخاطب ہوا۔ جو اسے دیکھ کر ٹھنڈی آہ بھر کے رہ گئی تھیں۔ کیا تھا اگر وہ شادی کے لیے مان جاتا۔

"تائی تمہیں بھی قربان کرنے کا سوچ رہی ہیں۔" فریحہ نے مسکرا کر ماحول کی کثافت کم کرنا چاہی تھی۔

"میں تو ایک پر ہی قربان ہو چکا ہوں۔ مزید قربانی نہیں دے سکتا۔" عاشر کا انداز معنی خیز قسم کا تھا۔ فریحہ کو کچھ عجیب لگا۔ گو کہ وہ پہلے بھی خاصی معنی خیز گفتگو کرتا تھا تاہم اس وقت فریحہ کو کچھ الگ ہی فیل ہوا۔

"تو وہ جنم جلی ہے کہاں؟" تائی کو غائبانہ ہی اس پر تاؤ آگیا۔ "سامنے ہو تو اس کے پیر پکڑ کر بھی لے آئیں۔"

"وہ پیر پکڑنے سے بھی نہیں آئے گی۔ قسمت کے پھیر میں پھنسی ہوئی ہے۔" عاشر نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔

"کیسی منحوس ہے۔" تائی کو اور بھی بری لگی تھی۔

"منحوس نہیں... بڑی بھاگوان ہے۔ نصیب والوں کی دہلیز پہ اترے گی۔" عاشر ہلکا سا مسکرا دیا تھا۔ اس کا انداز سابقہ ہی تھا تاہم اس میں ہمیشہ والی معصومیت ضرور موجود تھی۔

"میرا دل تو فریحہ کی سہیلی پہ آگیا تھا۔ ایسی سندر بچی ہے کہ پورے گھر میں اجالا بھر دے۔" تائی کو ایک مرتبہ پھر ماہ رو یاد آگئی۔

"کیوں؟ ہمارے گھر بجلی نہیں... یا جنریٹر کا فقدان ہے۔" عاشر نے تائی کی بات کو اپنے ہی رنگ میں لیا تھا۔ تائی نے اسے گھور کر دیکھا تھا پھر اپنی بات جاری رکھی۔

"ایسی چینی کی گڑیا' دل چاہے تو شوکیس میں سجا دیں۔"

"کمال کرتی ہیں امی آپ؟ شوکیس برتن سجانے کے لیے ہوتے ہیں جیتے جاگتے انسان نہیں۔ پھر ہمیں

ایک بیوی درکار ہے کوئی ڈیکوریشن پیس نہیں۔ محترمہ کوئی کام نہیں کرتیں۔ ہر کام کے لیے دس دس نوکر ہیں۔

پھر جم میں الگ سے جانا ہوتا ہے۔ شاپنگ، ہوٹلنگ، ہلا گلا اضافی کمالات ہیں۔ آپ اتنے اونچے خواب نہ ہی دیکھیں تو بہتر ہیں اور اگر اتنا ہی ماہ روبی بی پہ دل آگیا تھا تو پھر عون کو تختہ مشق بنالیتیں۔ یقین واثق تھا کہ عون ان محترمہ کو سدھارنے کی طاقت رکھتا تھا۔ مجھ غریب کو تو کھڑے کھڑے گولی سے اڑا دیتی۔ حد ہے بھئی۔ خواب بھی دیکھا تو آسمانوں والا۔" وہ اتنے مزاحیہ انداز میں بولا تھا کہ فریحہ کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔ پھر وہ ہنس ہنس کر دوہری ہوگئی تھی۔ اس کی شفاف جھرنوں سی ہنسی نے لحہ بھر کے لیے عاشر کو تھما دیا تھا۔ اس کے اپنے لبوں کی مسکراہٹ غائب ہوگئی تھی۔ پھر وہ ایک لمحے کے لیے بھی نہیں رکا تھا۔ الٹے قدموں ہی پلٹ گیا تھا۔ تائی، امی اور فریحہ اس کے ردعمل پہ ششدر رہ گئے تھے۔ اسے اچانک ہوا کیا تھا؟

☆ ☆ ☆

یہ شدید گرم ترین دن تھا۔ نہ صرف گرم ترین بلکہ مصروف ترین بھی۔ عاشر کو بخار تھا سو وہ کام پہ نہیں آسکا۔ عاصم اور قاسم بھائی نیا مال بک کروانے کراچی گئے ہوئے تھے۔ رات کو تین ٹرک سامان کے آئے تھے۔ جنہیں خالی کروانا تھا اور آج ہی کروانا تھا۔ اگلے تین دن اور بھی مصروفیت کے تھے۔ کیونکہ اگلے تین دن میں باقاعدہ شادی کی رسموں کا آغاز ہوجانا تھا۔ عون عباس کو آج ہی تمام کام نمٹا کر فارغ ہونا تھا۔

وہ اپنے زیر نگرانی پیکنگ میں بند نیا مال اتروا کر گودام میں رکھوا رہا تھا۔ پھر پلازہ کی مختلف دکانوں میں مطلوبہ سامان پہنچانا بھی اسی کی ذمہ داری تھی۔ پیکنگ کھلوانا بھی اسی کے ذمے لگایا گیا تھا۔ خاص طور پر الیکٹرونکس کے ٹرالوں کو خالی کروانا بڑا محتاط قسم کا کام تھا۔ اوپر سے بلا کی گرمی تھی اچانک ہی سورج انتہائی پر تپش ہوگیا تھا۔ ابھی ایک ٹرک خالی ہوا تھا جب اس کی جینز کی پاکٹ میں رکھا سیل فون ایک تواتر سے بجنے لگا۔ اس نے مصروف انداز میں موبائل نکال کر کان سے لگایا تھا۔ دوسری طرف ایک دل نشین جانی پہچانی نسوانی آواز سنائی دی تھی۔ عون کی بھنویں تن سی گئیں۔ ماتھے پہ سلوٹ نمودار ہوئی تھی۔ اس کے اعصاب تک کھنچ گئے تھے۔ اس کا وجدان جس خاتون کی طرف اشارہ کررہا تھا اگر کال وہی تھی تو پھر آج اس کی زندگی کا انتہائی برا ترین دن تھا۔ اور وہ اگلے دس سال تک بھی اس کال کو بھلانے والی نہیں تھی۔ اگر ذرا سی بھی غیرت رکھتی تو شرم سے ڈوب مرتی۔ اس دن کی ذلت کے بعد ایسی جرات کا دوبارہ مظاہرہ نہ کرتی۔

عون عباس کو اندازہ ہی نہیں تھا۔ اس کا کس ڈھیٹ اور انتہائی ڈھیٹ خاتون سے واسطہ پڑا تھا۔ مہذب الفاظ میں ایسی عورتوں کو مستقل مزاج کہا جاتا ہے تاہم عون کے نزدیک وہ کمال درجے کی ڈھیٹ لڑکی تھی۔ جسے اپنی انا، عزت اور وقار کا ذرا پاس نہیں تھا، لیکن آج وہ اس کے تمام طبق روشن کردینا چاہتا تھا۔ جیسے ہی اس نے مدھر آواز میں عباس کہا۔۔۔۔ ٹھیک اسی لمحے وہ ذرا فاصلے پر شیڈ تلے کھڑا ہو کر سورج کی تپش سے بڑھ کے آگ اگلنے لگا تھا۔

"مجھے امید نہیں تھی۔ تم اس دن کی انسلٹ کے بعد رابطہ رکھوگی، لیکن آج پتا چلا ہے تم کس قدر ڈھیٹ قسم کی لڑکی ہو۔ بلکہ شریف لڑکیوں کے نام کی بھی توہین ہو۔ تم میں ذرا بھی غیرت نہیں۔ میں نے اپنی زندگی میں تم سی بے حیا اور بے ہودہ لڑکی نہیں دیکھی۔" عون جیسے چھوٹتے ہی پھٹ پڑا تھا۔ یہ ماہ رو کی خوش نصیبی تھی جو وہ اس وقت عون کے سامنے نہیں تھی۔ ورنہ یہ سامنے کھڑا ٹرالر اس کے اوپر سے گزار دیتا یا پھر بلڈوزر کے پہیوں تلے دبا دیتا۔ ادھر ماہ رو جیسے ہر قسم کے رویے کی توقع رکھ کر کال کرنے کی ہمت خود میں لائی تھی۔ وہ جانتی تھی عون کسی بھی انتہا پہ غصے کا گراف لے جاسکتا تھا۔ سو اس کے اطمینان

میں عون کے زہر اگلنے پہ بھی فرق نہیں پڑا تھا۔ بلکہ اس نے بڑے سکون اور دلچسپی سے عون کے الفاظ کو سنا تھا پھر انتہائی برجستہ لہجے میں بولی۔

"ویل' کوئی حسرت تو نہیں رہے گی نا۔ اب مجھ جیسی بے ہودہ تو دیکھ لی ہے۔ تم یہ بھی سمجھ چکے ہو گے میں کس قدر مستقل مزاج ہوں۔۔۔۔ تمہارے الفاظ میں ڈھیٹ ترین ہوں۔ تو پھر تم میرے ٹیلنٹ کو مان گئے نا۔ تمہارے نمبر تک رسائی بھی حاصل کرلی ہے۔ کسی دن تم تک بھی پہنچ جاؤں گی۔ پھر تمہارے دل کو اپنا بنانا بھی مشکل نہیں ہوگا۔" ماہ رو نے بڑے دلربا انداز میں کہا تھا۔ یوں کہ عون کا سارا خون رخساروں پہ سمٹ آیا۔ اس کی بے ہودہ گوئی پہ عون کو بے انتہا غیض چڑھا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آتا۔ فریحہ نے تم جیسی لڑکی کو دوست بنا رکھا تھا۔ کیا فریحہ کو اچھے برے کی ذرا پہچان نہیں۔۔۔ تم تو ایسی بے لگام لڑکی ہو چار شریف لڑکیوں کو منٹوں میں اپنے جیسا بے لگام کردو۔" وہ اسے بھگو بھگو کر جوتے مار رہا تھا۔ اور ماہ رو ان فقروں کو کسی اعزاز کی طرح وصول کر رہی تھی۔ اف یہ محبت بھی نا۔ کتنا لاچار کرتی تھی۔ کتنا خوار کرتی تھی۔ کتنا بدحال کرتی تھی۔

"فریحہ کو اچھے برے کی پہچان ہے یا نہیں۔ یہ تم فریحہ سے ہی پوچھ لو۔ اگر میں نے فریحہ کی شرافت کو خراب کیا ہے۔ پھر تو یہ الزام سچا ہوگا۔ اگر نہیں تو پھر اپنے الفاظ پہ ذرا دوبارہ غور کرلو۔ میں تو شریف لڑکیوں کو خراب کرنے والے الزام سے بری ہوں۔" ماہ رو نے بڑے انداز سے عون کو زچ کرنا چاہا تھا۔ باہم برابر اسے وکٹری کا نشان دکھا کر بیک اپ کر رہی تھی۔ اس کی کمر ٹھونک رہی تھی۔

"جسٹ شٹ اپ۔" وہ دھیمی آواز میں پھنکارا تھا۔ "تم نے مجھے فون کیوں کیا ہے؟"

ڈھنگ کا سوال تو اب کیا نا۔" ماہ رو جیسے قربان جانے لگی تھی۔ "میں نے تمہیں ایک بات بتانا تھی۔ اگر تم غصہ تھوک کر آرام سے سن لو تو۔۔۔۔" اب کے ماہ رو نے تھوڑا انداز بدل کر لہجے میں عاجزی بھرلی تھی۔ اور وہ شاید کال ڈسکنکٹ کرنے والا تھا۔ لمحہ بھر کے لیے رک گیا۔ پھر اس نے پینترا بدل کر کہا۔

"میں تمہاری بات سن لیتا ہوں مگر وعدہ کرو تم دوبارہ کال نہیں کروگی۔ یہ تمہاری آخری فون کال ہوگی۔"

عون کو اچانک لہجہ بدلنا پڑا تھا۔ اسے لگا' وہ غصہ دکھا کر اسے مزید چڑا رہا ہے۔ ایسی لڑکیوں کو دوسرے طریقے سے ہینڈل کرنا چاہیے۔ ورنہ غصے اور انسلٹ پہ وہ ضد اور سرکشی پہ بھی اتر سکتی تھی۔ یوں وہ دوہرا نقصان بھی پہنچا دیتی۔ سو عون کو اپنا دماغ حاضر رکھنا پڑا۔ ماہ رو کچھ الگ قسم کا کیس لگتی تھی۔

گو کہ اس دن سے عاشر نے کئی مرتبہ اسے دفتر میں بلا کر کریدا تھا۔

"یہ فریحہ کی سہیلی کیوں آئی تھی! اور روتی ہوئی کیوں گئی؟ کوئی پرابلم تھی کیا؟" اس دن چاچا اور کئی ایک سیل بوائز نے بھی ماہ رو بی بی کو آتے اور جاتے دیکھا تھا۔ تب اس نے عاشر کو تو مطمئن کردیا تھا۔ لیکن خود کو مطمئن نہیں کرسکا تھا۔

اس دن چاچا نے بھی عون کو بلا کر ماہ رو کے بارے میں استفسار کیا تھا۔ ہر ایک کی سوالیہ نظروں سے عون کو ایسی الجھن ہو رہی تھی کہ حد نہیں۔ صد شکر کہ سب لوگوں کو مطمئن کردیا تھا۔ اور گھر تک یہ بات نہیں پہنچ سکی تھی۔ اور آج پھر وہی ماہ رو ایک دفعہ مزید اس کے ضبط اور صبر کا امتحان لینے فون کال پہ موجود تھی۔ اور عون کو بڑے طریقے کے ساتھ سے ہینڈل کر کے اپنا پیچھا چھڑوانا تھا۔ کیونکہ وہ ان امیر زادیوں کی چند روزہ محبت کے شغل سے بخوبی آگاہ تھا۔ اور ماہ رو کے جھانسے میں آنے والا بھی نہیں تھا۔ اس نے بڑے طریقے سے ماہ رو کو گھیر گھار کے وعدہ لینا چاہا تھا۔ اور ماہ رو نے بھی بغیر منت لگائے اقرار کا وعدہ کرلیا۔

"لیکن میری بھی ایک شرط ہوگی۔" اس نے بڑی حاضر دماغی کا ثبوت دیتے ہوئے بدلے میں شرط سنادی تھی۔ عون کو لہجے اور آواز میں کچھ تبدیلی لاکر نرمی بھرنا پڑی۔ اگر ایک شرط کے بدلے میں اس چکنی جونک

سے پیچھا چھوٹ جاتا تو یہ کوئی بہت برا سودا نہیں تھا۔ عون نے بھی کچھ سوچ کر اقرار کر لیا۔

''دیکھ لو، تم اپنے پرامس سے ہٹو گے نہیں؟ وعدہ؟'' ماہ رو نے اپنے ازلی اعتماد کے ساتھ کہا۔ عون کو دل ہی دل میں شدید تاؤ چڑھا تھا۔ کیا یہ واقعی فریحہ کی سہیلی تھی؟ کیا وہ جانتی نہیں تھی۔ تین دن بعد اس کی فریحہ سے شادی ہے۔

اس نے دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتے ہوئے ایک لفظ وعدہ کہا۔ یوں کہ دوسری طرف ماہ رو کو جیسے ہفت اقلیم کی دولت حاصل ہو چکی تھی۔ وہ بے انتہا مسرور اور شاد ہوئی۔ خوشی اس کی آواز سے چھلک رہی تھی۔

''میں تمہیں دوبارہ کال کر کے تنگ نہیں کروں گی۔ لیکن تمہیں بھی میری محبت کا یقین کرنا ہوگا۔ اور اس یقین کا اقرار بھی کرنا ہوگا۔'' ماہ رو نے ایک جذب کے عالم میں اس تک اپنی شرط پہنچادی تھی۔ جسے سن کر اسے ڈنک لگا تھا۔ وہ جیسے بدک کر پیچھے ہٹا تھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ غرا اٹھا۔

''شٹ اپ۔'' اس کی غراہٹ پہ کچھ فاصلے پہ کھڑے چاچا مزدوروں سے کرٹن اٹھواتے چونک سے گئے تھے۔ معاً عون کو خیال آنے پر اپنا لہجہ دھیما کرنا پڑا تھا۔ اس نے جیسے خون کا گھونٹ بھرا تھا۔ پھر فون کو کان سے ہٹا کر دوبارہ لگاتے ہوئے بمشکل بولا۔

''میں یہ کام نہیں کر سکتا۔'' اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔

''تو پھر میں چوبیس گھنٹوں میں تمہیں اڑتالیس کالز کروں گی۔ اور دو ہزار ایس ایم ایس۔ بولو منظور ہے۔؟'' وہ جیسے لمبا سا لطف لیتے ہوئے بلیک میلنگ پہ اتر آئی تھی۔ دوسری طرف عون کو لحہ بھر کے لیے دماغ کو ٹھنڈا کر کے سوچنا پڑا تھا۔ اسے شاید گمان ہوا تھا کہ یہ لڑکی اتنی آسانی سے پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ وہ چاہتا تو فریحہ کو بتا کر اس کا امیج تباہ کر سکتا تھا۔ اس کے کرتوتوں کا اشتہار لگوا سکتا تھا۔ لیکن پھر ہوتا کیا؟ ماہ رو بدنام ہو جاتی۔ ایک لڑکی، ایک عورت۔ جسے اپنے نسوانی پندار کی پروا نہیں تھی۔ لیکن عون بھی گھر میں بہن، بھائی، کزنز اور مزید رشتے رکھتا تھا۔ وہ کسی کی بٹی تو کیوں بلاوجہ بدنام کرتا۔ گو کہ اب تو وجہ بھی تھی پھر بھی یہ سب اس کی تربیت کا حصہ نہیں تھا۔

کافی دیر سوچنے کے بعد عون نے ذرا نرم آواز میں اسے الجھانے اور بات ختم کرنے کی غرض سے کہا۔

''ویل۔ میں تسلیم کر لیتا ہوں کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔ لیکن میں یقین کیسے کروں؟ تمہیں یقین تو دلانا پڑے گا۔ اب یہ تم پر ڈیپنڈ کرتا ہے کہ تم مجھے کیسے یقین دلاتی ہو۔'' اپنے تئیں اس نے ماہ رو کو لاجواب کرنا چاہا تھا۔ مگر وہ ماہ رو ہی کیا جو لاجواب ہو جاتی۔ اس کا ازلی اعتماد، نخرہ اور حاضر جوابی لوٹ آئی تھی۔ اب اسے عون کو ستا کر مزہ آرہا تھا۔ وہ اس گفتگو کو مزید لمبا کھینچنے کی خواہش رکھتی تھی۔

''میں تمہیں یقین دلا سکتی ہوں۔ کیونکہ میں تم سے سچی محبت کرتی ہوں۔ وقتی ابال والی محبت نہیں۔ لمبی اور ہمیشہ والی۔ تم کہو، کس طرح سے یقین کرو گے؟ کیا زہر پھانک لوں؟ سوسائیڈ کر لوں؟ شہ رگ کاٹ لوں۔ خود کو آگ لگا لوں؟ یا تمہارے پلازہ کی چوتھی منزل سے کود جاؤں۔'' اس کے اگلے الفاظ نے عون کے ستره طبق روشن کر دیئے تھے۔ اس کی سماعتیں جیسے سلگ اٹھی تھیں۔ وہ برجستہ بول پڑا۔

''میں تمہارا قتل اپنے ذمے کیوں لوں؟ اگر مرنا چاہتی ہو تو شوق سے مرو۔''

''تاکہ تمہارا پیچھا چھوٹ جائے۔'' ماہ رو نے طنزیہ کہا۔

''خاصی سمجھ دار ہو۔'' وہ بھی طنز پہ اتر آیا تھا۔

''بہت بد دماغ بھی ہوں۔'' اس نے جتلایا۔

''وہ تو نظر آرہا ہے۔'' اس نے فون بند کرنا چاہا۔

''میری بات سنو....'' ماہ رو جیسے اس کا ارادہ بھانپ گئی تھی۔

''کیا ہے....؟'' وہ مشتعل ہوا۔ ''کیا پیچھا چھوڑو گی یا نہیں؟'' اس کے ضبط کی انتہا ہو چکی تھی۔

''ہرگز نہیں۔'' ماہ رو نے کال کاٹ دی، تھی۔ پھر وہ

بیڈ پہ لیٹ کر ہنس ہنس کے لوٹ پوٹ ہو گئی۔ عون سے بات کر لینے کی سرخوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا۔ عون نے اس سے اتنی لمبی بات کی تھی اور اس کی ہر بے سروپا بات کا جواب بھی دیا تھا۔ ماہ رو کا یقین کامل تھا کہ ایک نہ ایک دن عون کو اس کی محبت پہ یقین بھی آجائے گا اور ماہ رو پہ اس خوب صورت دن مبارک بادی کا فیضان ہو گا۔

☆ ☆ ☆

پھر یہ فون کالز کا سلسلہ رکا نہیں تھا۔ بڑھتا چلا گیا تھا اور وہ اگلے تین دن سے بھی پہلے صرف چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر ناک کے بانسے تک عاجز آگیا تھا۔ چوبیس گھنٹوں میں ہر ایک منٹ بعد ماہ رو کی کال آرہی تھی۔ ہر سیکنڈ بعد میسج موصول ہو رہا تھا۔ وہ بیک وقت تین تین نمبروں سے کال، مس کال، میسج اور ایم ایم ایس کر رہی تھی۔ پھر یہ سلسلہ عون کے موبائل تک محدود نہیں رہا تھا بلکہ پلازہ کے ہر مختلف پارٹ، دکان، حصے میں لگے الگ الگ فونز پہ بھی کالز آنا شروع ہو گئی تھیں۔ وہ صرف چوبیس گھنٹوں میں ہی اس صورت حال پہ متوحش ہو گیا تھا۔ یوں لگتا ہر اٹھتی نگاہ اس سے سوال کرتی ہے۔ ہر اٹھتی نگاہ میں اس کے لیے عجیب تاثر ہوتا تھا۔ یہ اس کی اپنی اندرونی کیفیات تھیں جو اسے چور بنا رہی تھیں۔

اور آج تو حد ہو چکی تھی۔ صبح سے لے کر شام تک اسے ایک سو اسی کالز اور سات سو کے قریب میسجز موصول ہوئے تھے۔ سب سے بڑی شرمسار کرنے والی بات تو یہ تھی۔ جب وہ کپڑے کے لوڈ ڈپو سے کپڑا اتروا رہا تھا تب اس کی جیب میں موبائل بھیانک سائرن کی طرح بجتا رہا۔ متواتر میسجز بھی آتے جا رہے تھے۔ تنگ آکر اس نے فون سائلنٹ پہ کر دیا لیکن تب ہی ابو اور چاچا کی غصے بھری کالز پی ٹی سی ایل پہ آنے لگیں۔ وہ اسے موبائل توڑ دینے کا مشورہ دے رہے تھے۔ ظاہر ہے جب ضرورت کے وقت اٹھانا نہیں تھا تو پھر موبائل جیسی سہولت کی ضرورت کیا تھی۔ تین دن سے وہ سائلنٹ والا حربہ بھی آزما کر بے زار ہو چکا تھا۔ کیونکہ ابو اور چاچا کے بعد امی، چاچی اور بھابیوں نے بھی اسے خوب سنائی تھیں۔ وہ تین گھنٹے ٹریفک میں پھنسی رہیں اور بار بار اسے کال کر رہی تھیں کہ وہ انہیں دوسرے روٹ سے پک کر لے لیکن چونکہ عون نے سیل سائلنٹ پہ کر رکھا تھا۔ اس لیے پتا ہی نہیں چل سکا تھا۔ وہ تو اس سچویشن پہ چکرا کر رہ گیا تھا۔ اب تو دکان میں کام کرنے والے لڑکے تک جان چکے تھے۔ صور اسرافیل کی طرح بجتی گھنٹیوں میں کوئی خاص بات تو ضرور تھی۔ یوں لگتا ہر آنکھ میں عون کے لیے کھوج بھر گئی ہے۔ یعنی وہ بھی... عون عباس بھی اس لت سے محفوظ نہیں رہ سکا تھا۔ جسے بڑے بڑے محتاط رہنے کے دعوے ہوا کرتے تھے۔ جس کا ماضی صاف شفاف تھا اور جو کسی پرائی عورت کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا۔

اسے اپنے باپ اور چاچا کی برسوں بنائی گئی عزت اور ناموس کی بڑی پروا تھی۔ سو، عون کیوں نہ اس صورت حال پہ پریشان ہوتا۔ جو بنی بنائی عزت پہ کیچڑ اچھالنے کا سبب بن رہی تھی۔ پھر چاچا اور ابو تک نے اسے بلا کر پوچھ لیا تھا۔ یعنی اس کے اردگرد رہنے والے قریبی لوگ اچنبھے کا شکار ہو کر چونک رہے تھے۔

"کوئی مسئلہ ہے عون! تمہارا دھیان کام پہ نہیں ہے۔ ہر وقت موبائل کی گھنٹیاں بجتی ہیں۔ میں کچھ اڑتی

اڑتی بکواس بھی سن رہا ہوں۔" ابو نے نرم آواز میں اسے خوب اندر تک لتاڑ دیا تھا۔ تب وہ اور بھی پریشان ہوا تھا تھا۔ اس وقت ابو اور چاچا کو تو قائل کر لیا تھا لیکن وہ اپنے دل کی بے چینی کو کسی طور پہ قابو نہیں کر سکا تھا۔ جیسے یوں لگتا تھا کچھ ہو کر رہے گا۔ یہ جو ولایتی طوفان اس کی زندگی میں اٹھ رہا تھا' یہ کوئی معمولی طوفان ہرگز نہیں تھا۔ پہلے پہل اس نے یہی سوچا تھا۔ وہ لڑکی اس کا روڈلی بیہوئیر دیکھ کر خود بخود ہٹ جائے گی لیکن ایسا ہرگز نہیں تھا۔ وہ انتہائی ڈھیٹ لڑکی تھی۔ وہ نہ بے عزتی سے ڈرتی تھی' نہ بدنام ہونے سے اور زبان اس کی اتنی لمبی تھی کہ اکثر وہ خون کے گھونٹ بھر کر رہ جاتا تھا۔ حتیٰ کہ تنگ آکر اس نے ماہ رو کو یہ تک بھی کہا۔

"میری شادی ہو رہی ہے اور تم میرا پیچھا نہیں چھوڑ رہیں۔" اس کے لہجے میں غصہ تھا' گرج تھی' غراہٹ تھی اور کچھ بے بسی بھی' اس نئی اطلاع کو سن کر بجائے وہ شاکڈ ہوتی' اس پہ لعنت بھیجتی' اس کا پیچھا چھوڑتی' بلکہ وہ تو بہت ایکسائیٹڈ ہو چکی تھی۔

"کیا میرے ساتھ......؟" اس کا انداز انتہائی برجستہ تھا۔ وہ ہر بات کو چٹکیوں میں اڑا دیتی تھی۔ اس کے لیے کچھ بھی سنجیدہ نہیں تھا۔ جب اسے اپنے نسوانی پندار کی پروا نہیں تھی تو پھر وہ عون عباس کی پروا کیوں کرتی۔ اس وقت بھی وہ نئی سم منگوا کر پہلی سم کو توڑنے کے بعد سر تھام کر بے بس سا بیٹھا تھا۔ یہ ایک ہی دن میں چوتھی سم تبدیل ہو رہی تھی۔ اب تو اس کے بھائی بھی چونک کر سوال کرنے لگے تھے۔

"تم نے سمیں بدلنے کا کوئی ریکارڈ تو نہیں قائم کرنا؟" یہ سوال قاسم نے کیا تھا۔ ابھی یہ پہلا سوال تھا۔ پھر سوالوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ یوں کہ عون عباس بوکھلا گیا اور ابھی اس وقت عاشر نے اندر آتے ہوئے بار بار اسے کسی کی کال کو ڈسکنیکٹ کرتے دیکھ لیا تھا۔ پھر وہ اس کے قریب ہی لیدر کے آرام دہ صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کی نگاہیں عون کے وجیہہ چہرے پہ پھیلی الجھن کو دیکھ رہی تھیں۔

اس کا انداز بھی کچھ کھوجتا ہوا تھا۔ کافی دیر دونوں بھائیوں کے درمیان معنی خیز سی چپ کی روا تنی رہی تھی' پھر عاشر کو ہی پہل کرنا پڑی۔

"آج کل فون پہ بڑے مصروف رہتے ہو' کبھی میسج دیکھتے ہو' کبھی میسج لکھتے ہو' کبھی کالز سنتے ہو' کبھی سم بدلتے ہو' کبھی سم توڑ دیتے ہو' کبھی فون بند رکھتے ہو' کبھی سرے سے فون ہی توڑ دیتے ہو' یہ کوئی تیسرا موبائل ہے تمہارا۔ آخر معاملہ کیا ہے؟ آج کل ابو اور چاچا بھی تمہاری روش سے اچنبھے کا شکار ہیں۔" عاشر نے بغیر تمہید کے صاف صاف بات کرنے کی ٹھان لی تھی۔ اسے ابو نے عون کے پاس بھیجا تھا' تاکہ وہ اس کی پرابلم تو کھوج آئے۔ ویسے بھی دونوں بھائیوں میں اتنی بے تکلفی اور دوستی تو تھی ہی کہ وہ باآسانی عون سے ہر معاملے پہ ڈسکشن کر سکتا تھا۔ عون جیسے عاشر کی بات سن کر بھونچکا رہ گیا تھا۔ تو گویا بہت سی باتیں طشت ازبام ہونے کا وقت آگیا تھا۔ عون عجیب سی بے بسی میں جکڑ گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی کو بتا دیا' تب بھی عذاب تھا نہ بتایا تب بھی عذاب تھا۔

"کچھ نہیں یار!" عون نے دھیمی آواز میں کہا تھا۔ اس دوران بار بار اس کا موبائل فون بلنگ کر رہا تھا۔ عاشر نے اک نظر موبائل اسکرین کو دیکھا اور پھر عون کے چہرے کی طرف۔ کچھ دیر بعد میسجز آنا شروع ہو گئے تھے۔ عاشر کی توجہ بار بار اصل موضوع سے ہٹ رہی تھی اور پچھلے کچھ دنوں سے ہر ایک فرد کو عون سے یہی شکایت تھی۔ اس کے پاس ایک منٹ کھڑے ہو کر بات کرنا بھی عذاب ہو جاتا تھا۔ کیونکہ ایک منٹ میں ایک سو دفعہ اس کے نمبر پہ کال اور میسج آنے شروع ہو جاتے تھے' جب تک کہ وہ اٹھا نہ لیتا' سن نہ لیتا' دیکھ نہ لیتا یا ڈس کنیکٹ نہ کر دیتا۔

"یہ سب کیا ہے عون! کیا تم جواب دینا ضروری سمجھتے ہو؟" اس دفعہ عاشر نے بہت غصے میں کہا تھا' چونکہ عون کی توجہ بھی بار بار ہٹ رہی تھی۔ وہ ترچھی نظروں سے موبائل کو دیکھتا تھا۔ جس کی اسکرین منٹ

منٹ بعد روشن ہو جاتی تھی۔ "ابھی یہ بات ہم تک محدود ہے' کل کو چاچی' امی' فریحہ اور باقی سب بھی جان جائیں گے۔ بہتر یہی ہے' تم اس سلسلے کو بند کرو' کل تمہاری بارات ہے اور آج شام کو مہندی کی رسم۔ ادھر تم فون خریدنے' توڑنے اور سمیں بدلنے میں مشغول ہو۔" عاشر نے اتنے دنوں کا غصہ باہر نکال دیا تھا اور خاصے جارحانہ انداز میں اس کو لتاڑنے کی کوشش کی تھی۔ عون کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ اس نے بے انتہا توہین اور ذلت محسوس کی تھی۔ وہ اپنے سے دس ماہ چھوٹے بھائی کے سامنے بے انتہا شرمندہ ہو گیا تھا۔ اب عون عباس پہ یہ بھی وقت آنا تھا۔ وہ چھوٹے بھائی کے سامنے سوالیہ نشان بن گیا تھا۔ وہ اس کے سامنے کٹہرہ عدالت میں کھڑا ہو گیا تھا۔ اس ماہ رو سرفراز کی سرکشی کے سبب' اس ایک ماہ رو سرفراز نے عون عباس کو اتنا ہلکا اور بے بس کر دیا تھا۔ جسے اپنے ڈیفنس میں بولنا بھی محال لگ رہا تھا۔ وہ ہونٹ چباتا غصے میں کھڑا ہو گیا۔

"میں تمہیں سمجھا رہا ہوں عون! گھر میں خوشیوں کے شادیانے بج رہے ہیں۔ تم بھی ذرا سنبھل جاؤ۔ ایسا ویسا کوئی قصہ ہے تو اس پہ لعنت ڈالو۔ تم اچھی طرح سے جانتے ہو۔ فریحہ ہم سب کو کس قدر عزیز ہے اور اس کی آنکھ میں اترا آنسو کوئی بھی دیکھ نہیں سکتا۔ تم فریحہ کو رلانے کا سبب بنے تو اچھا نہیں ہو گا۔ بالکل بھی اچھا نہیں ہو گا۔ اسے میری وارننگ سمجھ لو۔ ابو کسی بھی بدنامی کے بار کو اٹھانے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔" وہ اسے ڈھکے چھپے لفظوں میں سمجھا گیا تھا۔ دوسرے معنوں میں ابو کی طرف سے وارننگ دے گیا تھا اس کا مطلب تھا ابو بھی کچھ کچھ ماہ رو والے قصے سے آگاہ ہو رہے تھے۔ ظاہری بات تھی۔ سب کچھ اس قدر واضح تھا کہ ہر کوئی اپنی اپنی سمجھ کے مطابق نتیجہ اخذ کر لیتا۔ عون مارے غصے کے بھر رہا تھا اور اسی غصے کے عالم میں اس نے دفتر کی ایک ایک قیمتی چیز کو تہس نہس کر دیا تھا۔ اوپر سے اس کا موبائل بھی بھیانک سریں بکھیر رہا تھا۔ پھر ایک انجان نمبر سے میسج آ گیا۔ وہ جو تھک ہار کے صوفے پہ ڈھے گیا تھا۔ لمحہ بھر کے لیے چونک گیا۔ کیا اسے میسج کھول کے دیکھ لینا چاہیے؟ کیا خبر کسی کا ضروری میسج ہو۔ اگر اس نے میسج نہ دیکھا اور ابو تک فون چلا گیا تو اس کی اچھی بھلی کلاس لگنے کا خدشہ تھا۔ اسی لیے عون کو میسج کھول کر دیکھنا پڑا۔ سامنے ایک نظم کے چند الفاظ چمک رہے تھے۔

کوئی مجھ کو ایسی دلیل دے
کہ میں ٹوٹ کر تیرے نقش
آنکھ کی پتلیوں سے مٹا سکوں
کوئی مجھ کو ایسی دلیل دے
کہ میں دل سے پھر تیری عمر بھر کی
رفاقتوں کو بھلا سکوں
کوئی مجھ کو ایسی دلیل دے
کہ میں عمر بھر تیری یاد کا
کوئی جشن ہی نہ منا سکوں
اگر ایسی کوئی سبیل ہے تو پھر آزما
جو نہیں تو پھر......
مجھے یاد کر' مجھے یاد آ

عون کے دماغ سے شرارے نکل رہے تھے۔ اس کے اندر جوار بھاٹا تھا جو جمع ہو رہا تھا۔ آتش فشاں تھا جو پھٹ رہا تھا۔ کیونکہ ابھی کچھ دیر پہلے دفتر کی حالت زار کو دیکھ کر اس کا باپ آگ کی طرح بھڑک اٹھا تھا۔ ابو ابھی کچھ دیر پہلے ہی پلازہ میں آئے تھے۔ آتے ساتھ عاشر سے ٹکراؤ ہو گیا تھا۔ عاشر نے انہیں تسلی دی تھی کہ عون ٹھیک ہے۔ کوئی بڑا مسئلہ نہیں۔ سو وہ بڑے چین کے عالم میں اوپر دفتر کی طرف آئے تھے۔ ان کے دل سے چند دن پہلے والے وسوسے مٹ چکے تھے۔ عاشر نے ان کی اچھی تسلی کروا دی تھی۔ کیونکہ کچھ دن پہلے ہونے والے واقعات میں انہیں عون بڑا چڑچڑا' بے زار اور بد مزاج محسوس ہو رہا تھا۔ وہ بات بے بات کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔ اس کی شادی ہو رہی تھی اور یہ شادی زبردستی کی بھی نہیں تھی۔ پھر عون کے غصے اور بد مزاجی کا سبب کیا تھا؟ اسے تو خوش ہونا چاہیے

تھا، جبکہ وہ دن بدن بے زار، روکھا اور غصیلا ہو رہا تھا۔ عون کے باپ اور فریحہ کے تایا ہونے کے ناطے ان کے سارے وسوسے بے سبب نہیں تھے۔ انہیں ڈر تھا، کچھ انہونا نہ ہو جائے۔ وہ ان دنوں سخت پریشان تھے اور چاہتے تھے کہ عون، فریحہ کی شادی خیر، خیریت سے نپٹ جائے اور اب دفتر کی حالت دیکھ کر انہیں عون کی ذہنی کنڈیشن کا صاف نظارہ ہو رہا تھا۔ وہ تو پورے دفتر کو ٹوٹا بکھرا دیکھ کر بھونچکا رہ گئے تھے۔ انہیں عاشر کی تسلی پہ تاؤ چڑھ گیا۔ کیا اس نے اپنے باپ سے جھوٹ بولا تھا؟ وہ بھائی کے کسی عیب، غلطی یا راز کو چھپا رہا تھا۔ آخر کچھ تو تھا پس پردہ جسے عاشر نہ سہی عون لازمی طور پہ چھپا رہا تھا۔ آخر کیا تھا؟ کیا تھا جس کی پردہ داری تھی؟ ان کے دماغ سے عون کی طرح ہی شرارے نکل رہے تھے۔ اوپر سے اس کا بجتا موبائل چونکہ تین تین موبائل تھے اور ہر نمبر پہ ایک ساتھ کالز آ رہی تھیں۔ ابو جیسے لمحوں میں سمجھ کر آگ بگولا ہو گئے تھے۔ ان کا شک یقین میں بدل رہا تھا۔ عون کے پیچھے کوئی تھا؟ کوئی لڑکی، شاید اس کی محبوبہ؟ یا پھر؟ ان کے دماغ کی نسیں پھٹنے لگی تھیں۔

وہ خون خوار تیور لے کر اس کے قریب آئے تھے۔ پھر انہوں نے زندگی میں پہلی مرتبہ اپنے سب سے لاڈلے بیٹے کا گریبان پکڑ کر جھنجوڑا تھا اور خونی رنگ آنکھوں سے عون کو گھورتے ہوئے لہرا کر اس کے منہ پر گونج دار تھپڑ دے مارا۔ یہ ساری کارروائی آدھے منٹ میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد انہوں نے دروازہ لاک کر دیا تھا۔ پھر وہ شرارے اگلتے اس کے سر پہ کھڑے چلانے لگے تھے۔

"میں کہتا ہوں تم بے غیرت ہو چکے ہو۔ شرم نہیں تمہیں۔ رات کو مہندی کا فنکشن ہے۔ کل بارات ہو گی اور تم مجھے پوری برادری کے سامنے ذلیل کرنا چاہتے ہو۔ ایک جائز تعلق بننے میں رات بھر کا وقفہ بچا ہے اور تمہارے پچھلے عشق کی آگ نہیں بجھ رہی۔ اتنے دنوں سے تماشا دیکھ رہا ہوں۔ تحمل سے کام لے رہا ہوں، تاکہ تمہیں کچھ تو شرم آئے۔ مجھے تمہارے منہ نہ ہی لگنا پڑے۔ جو باپ بیٹے کے درمیان پردہ سا حائل ہے وہ چاک نہ ہی ہو، مگر تم نے آج انتہا کر دی۔" جب ان کا سارا لاوا ابل ابل کر عون کے پورے وجود کو غبار آلود کر گیا تھا۔ جب عون کی عمر بھر کی پونجی کو انہوں نے ایک ہی جھٹکے میں داغ دار کر دیا تھا۔ جب عون کے کردار تک بات پہنچ گئی تھی۔ تو پھر عون کے پاس باقی کیا بچتا تھا؟

اس کا سب کچھ تو لٹ گیا تھا۔ وہ اپنے باپ کے سامنے رسوا ہو گیا تھا۔ اس کا باپ تو اپنی بھڑاس نکال کر جا چکا تھا لیکن عون عباس کے اندر ابلتے آتش فشاں کو کیسے روکا جاتا؟ وہاں تو آگ ہی آگ تھی جو آج عون عباس کے نصیب میں ذلت آئی تھی۔ اس کا ایک حصہ ماہ رو کو بھی ملنا چاہیے تھا۔ وہ بھی اتنی ہی ذلت اور رسوائی کی حق دار تھی۔ اگر عون عباس ذلیل ہوا تھا۔ اپنے باپ کے سامنے خوار ہوا تھا تو ماہ رو سرفراز کو بھی اپنے باپ کے سامنے ذلیل ہونا تھا۔ وہ جارحانہ انداز میں اٹھا تھا اور کسی بپھرے طوفان کی طرح باہر نکل گیا۔ اس کے انگ انگ سے شرارے پھوٹ رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

پورا گھر لائٹنگ سے سجایا جا رہا تھا۔ باہر گراؤنڈ میں شامیانے لگائے جا رہے تھے۔ مہندی کا فنکشن گراؤنڈ میں ہونا تھا۔ برات ہوٹل میں آنی تھی۔ اگر عون، تایا، تائی کا بہت لاڈلا تھا تو فریحہ اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اس لیے یہ شادی انتہائی دھوم دھام سے ہونا قرار پائی تھی۔ کیونکہ یہ واقعی ہی یادگار ترین شادی تھی۔ کبھی بھلائے جانے والی نہیں تھی۔ نہ کوئی اسے بھلا پاتا۔ فریحہ تو کبھی بھی نہیں۔

سر شام ہی ڈھولک کی تھاپ پہ گیتوں کی پریکٹس شروع ہو گئی تھی۔ اس کی ساری کزنز بہت پرجوش تھیں اور رات بھر سے ڈانڈیا سیکھ رہی تھیں۔

تائی اور امی بہت مصروف تھیں۔ ثنا اور مریم پارلر روانہ ہو چکی تھیں۔ کائنات مہندی لگوا رہی تھی۔ ثنا کی بیٹی زینب، فریحہ کے پاس تھی۔ جسے تھپک تھپک

کر سلاتے ہوئے اس کی سوچوں کا کوئی رخ بھی مثبت نہیں تھا۔ امی نے اسے چپکے چپکے آنسو بہاتے دیکھا تو اندر آگئیں۔ پھر انہوں نے اسے ڈپٹ کر کہا۔

"فریحہ! کیوں رو رہی ہو؟ حد ہے بیٹا! تمہیں کوہ قاف نہیں جانا' نہ کسی دوسرے شہر جانا ہے' نہ کسی دوسرے پورشن میں جانا ہے۔ بس ایک کمرہ تو بدلے گا۔ یہاں سے عون کے کمرے تک۔" امی نے بے ساختہ اس کی پیشانی چوم لی تھی۔ تب پہلی مرتبہ فریحہ نے اپنی گھبراہٹ کی بھاپ امی کے سامنے نکال دی تھی۔ وہ دل پہ بوجھ لیے لیے تنگ آچکی تھی۔ امی پریشان نہ ہوں۔ بس یہی سوچ کر وہ ہر بات دل میں دبائے ہلکان ہو چکی تھی لیکن اس وقت فریحہ میں ضبط کا یارہ نہیں رہا تھا۔

"پتا نہیں امی! دل کیوں گھبرا رہا ہے۔ اندر کہیں چین نہیں۔" اس کی آواز پھر سے بھرا گئی تھی۔

"تم وہم میں نہ پڑو۔ اچھا اچھا... خوش گوار سوچو..." امی نے اسے دلاسا دیا تھا۔ آج امی بہت خوش تھیں۔ بیٹی کا فرض بھی ادا ہو رہا تھا اور عمر بھر آنکھوں کے سامنے بھی رہتی اور داماد بھی دل پسند تھا۔ وہ اسے تسلی دے کر چلی گئیں۔ شاید کسی نے انہیں آواز دے کر بلایا تھا۔ فریحہ' زینب کو تھپک تھپک کر سلا چکی تھی' جب عاشر کا وہاں سے گزر ہوا تھا۔ فریحہ نے اچانک اسے آواز دے کر روک لیا تھا۔ عاشر لمحہ بھر کے لیے رک گیا تھا۔ پھر اندر بھی آگیا۔ فریحہ مایوں کے زرد لباس میں خود بھی خاصی زرد لگ رہی تھی۔ موتی چور کے لڈو جیسی۔ عاشر نے ایک اچٹتی نگاہ ڈالی تھی۔ پھر جلدی سے نظروں کا رخ موڑ لیا۔ تاثرات بھی سپاٹ سے کر لیے تھے۔ فریحہ نے انگلیاں مسلتے ہوئے عاشر سے پوچھا۔

"عون آج کل کہاں ہے؟ پردہ تو مجھے اس سے کرنا تھا۔ وہ خود ہی روپوش ہو کر بیٹھ گیا۔" اس کے لہجے میں ٹوٹ پڑتی' رنجیدگی کا عنصر نمایاں تھا۔ عاشر نے گہرا سانس کھینچ لیا۔ وہ فریحہ کو کیا بتاتا؟ عون تو واقعی چند دنوں میں ایک پہیلی بن چکا تھا۔ اس کے دن رات کی کچھ خبر نہیں تھی۔ بات کرو تو کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔ ایسی بد مزاجی تو عون کی طبیعت کا حصہ نہیں تھی۔

"کیا پتا... پلازہ میں ہی مایوں بیٹھ چکا ہو۔" عاشر نے اپنا لہجہ ہلکا پھلکا سا بنا لیا تھا۔ "سوچتا ہوگا گھر میں تردد کیوں کروں؟ پھر تو امی وغیرہ گھر میں باؤنڈ کرلیں گے۔"

"مذاق نہیں کرو پلیز..." فریحہ کی سنجیدگی برقرار تھی اور جو دبی دبی بے چینی' اضطراب اس کے چہرے پہ دکھائی دے رہا تھا' عاشر اس اضطراب کی وجہ بخوبی سمجھتا تھا۔ چاہے جتنا مرضی چھپانے کی کوشش کی جاتی۔ فریحہ کے دل میں بجتی خطرے کی گھنٹیوں سے کچھ بھی چھپانا محال تھا۔

"مجھے بتاؤ... عون کے ساتھ پرابلم کیا ہے؟ وہ ایسا تو نہیں تھا۔" اس نے دوٹوک عاشر سے وہ سوال پوچھ ہی لیا تھا۔ جس سے بچنے کی خاطر عاشر' فریحہ کے سامنے بھی نہیں آتا تھا۔ وہ جیسے بے بس ہو گیا۔

"فٹ ہے یار! کوئی پرابلم نہیں۔ تمہیں کس نے بتا دیا؟" عاشر بلاوجہ مسکرانے لگا۔ شاید فریحہ کو مطمئن کرنے کے لیے۔

"میرے دل نے..." فریحہ کے جواب نے عاشر کو لمحہ بھر کے لیے لاجواب کر دیا تھا۔

"کیا پتا تمہارا دل جھوٹ کہتا ہو۔" عاشر کے لیے بات بنانی مشکل ہو گئی تھی۔

"ایک بات بتاؤں عاشر! دل سب کچھ کہتا ہے لیکن جھوٹ نہیں کہتا۔" فریحہ کا انداز ہنوز وہی تھا' بلا کا سنجیدہ۔

"اور تم کچھ بتاؤ یا نہ بتاؤ... میرا دل کچھ اچھا نہیں بتا رہا۔"

"رہنے دو بس... دل کی حکایتیں۔ ہر بات اس کم بخت کی نہیں سنتے۔ ورنہ نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ نرا خسارہ اٹھانا پڑتا ہے۔" عاشر کا لہجہ کچھ افسردہ سا ہو گیا تھا۔

"اور مجھے لگتا ہے میرا دل خسارہ اٹھانے والا ہے۔" فریحہ کے اگلے الفاظ نے عاشر کو دم بخود کر دیا تھا۔ وہ بے ساختہ بول اٹھا۔

"اللہ نہ کرے، کیسی باتیں کرتی ہو۔"

"کیا تمہیں نہیں لگتا؟" وہ عاشر کی سننے کی بجائے اپنی کہے جارہی تھی۔ کھوئے کھوئے اداس سے لہجے میں۔ عاشر کو ہول اٹھنے لگے تھے۔

"اللہ کی پناہ... بس کرو فریحہ! مت جان نکالو۔ ابھی مجھے اپنے بھائی کا ولیمہ کھانا ہے۔" وہ گفتگو کو پھر سے مزاحیہ ٹچ دے رہا تھا لیکن اسے لگتا تھا کہ اس کی کوشش نری بے کار ہے۔

"پتا نہیں... وقت کا کچھ اعتبار نہیں لگ رہا۔" فریحہ نے دبی آواز میں کہا۔

"مجھے تو تمہارا اعتبار نہیں لگ رہا۔" عاشر خفا سا ہوا تھا۔ "بندہ کوئی ڈھنگ کی بات سوچتا ہے۔ شکل اچھی نہ ہو تو بات اچھی کرلیتا ہے لیکن یہاں تو تم کیے بعد دیگرے ڈرائے جارہی ہو' تاکہ مارے خوف کے ہر کسی کی گھگھی بندھ جائے یا ٹینشن کی وجہ سے سرسام ہوجائے۔" اس نے اچھی بھلی فریحہ کی کلاس لے لی تھی۔ فریحہ کچھ دیر تک خاموش ہوگئی تھی۔ جانے کیا سوچنے لگی تھی۔ پھر جب بولی تو اس کا لہجہ بلا کا سرد اور مضطرب تھا۔

"تم ہی بتادو... مجھے شادیانے بجانے چاہئیں؟ تمہارا بھائی نہ جانے کس کے پیچھے باؤلا ہوچکا ہے۔" وہ جیسے پھٹ پڑی تھی۔ عاشر ہکا بکا رہ گیا تھا۔ یہ فریحہ کو کس نے بتادیا؟ پھر ابھی کچھ کنفرم تو نہیں تھا۔ یہ ہوائی کس نے اڑادی تھی؟ عاشر بے چین سا ہوگیا۔ فریحہ کو عون کے بدلتے معاملات، معمولات کا کیسے پتا چلا؟

"کس نے بکواس کی؟ کس نے بتایا تمہیں؟" اس نے بلا کے روکھے لہجے میں پوچھا۔ فریحہ جیسے بولی اور بولتی چلی گئی تھی' اس کی بے گانہ ہوتی روش نے' اس کے اجنبی انداز نے' اس کے بدلتے معمولات نے اور...'

عاشر جیسے خود دم بخود رہ گیا تھا۔ ابھی اس نے فریحہ کو کچھ بتایا ہی نہیں تھا اور وہ ساری کہانی' فریحہ نم آواز میں ترتیب کرتا رہی تھی۔ فریحہ کو آخر کس نے بتایا تھا؟ آخر کس نے؟ وہ یہ جانتا ہی نہیں تھا کہ فریحہ کو اس کے دل نے بتایا تھا۔ اس کے دل نے...

☆ ☆ ☆

اس نے سنہری ڈھلتی سہ پہر کو سمٹ کر گلابی شام میں بدلتے دیکھا اور مسکرادی تھی۔ پھر اس نے جمائی کو روکا۔ گلاس ونڈو سے کرٹن ہٹا کر وہ لاؤنج کے پار اترتی گلابی شام کے حسن کو دیکھ رہی تھی۔ محسوس کررہی تھی۔ آج کل بات بہ بات اس کے ہونٹ مسکرارہے تھے۔ سچ تو یہ تھا اس کا انگ انگ مسکرا رہا تھا۔ ماہ رو نے کرسٹل ٹیبل پہ رکھا اپنا سیل اٹھایا اور چپکے سے کئی ایس ایم ایس ایک ساتھ سینڈ کردیے۔ اب وہ اپنے عالی شان بنگلے کے لاؤنج میں ننگے پاؤں گول گول گھومتی رقص کررہی تھی۔ اس کے بچکانہ سے دیوانے پن کو دیکھتی' کچن میں اس کا پسندیدہ کیک کریم سے سجاتی ماہم نے مسکرا کر ماہ رو کو دیکھا اور پھر بے ساختہ ہنس پڑی۔

معاً شازمہ سیڑھیوں سے اترتی دکھائی دی تھی۔ وہ شاید کہیں باہر جارہی تھی۔ جانے سے پہلے وہ ماہ رو کے قریب لمحہ بھر کے لیے رک گئی تھی۔ پھر اس نے مسکرا کر ماہ رو سے کہا۔

"تمہارا پرنس ابھی تک پرپوزل لے کر نہیں آیا۔ بہت لیزی ہے یار! اتنی دیر کرے گا تو تمہارے ڈیڈی کسی اور کو فائنل کردیں گے۔" شازمہ نے نزاکت سے تھرکتی ماہ رو کو بریک لگانے پہ مجبور کردیا تھا۔ شازمہ نے پھر سے انتہائی ملائمت سے کہا۔

"سم ٹائم اپنے پرنس کو یاد کرواتی رہا کرو... بہت جلد تمہارے ڈیڈی سیٹھ ہاشم کو اوکے کردیں گے۔" شازمہ نے عادتاً "بے پر کی اڑائی تھی۔ ماہ رو اپنے حسین چہرے پہ ہاتھ پھیر کر دلکشی سے مسکرادی۔

"ڈیڈی مجھ سے پوچھے بغیر کچھ نہیں کریں گے۔" اس کا انداز بھی خاصا مہذب تھا۔ ماہم ان کی تکرار کو انجوائے کررہی تھی۔ کیونکہ وہ دونوں ہی مہذب انداز میں ایک دوسرے کے بخیے ادھیڑ لیتی تھیں۔ میٹھے طنز انجوائے کرتی تھیں۔

"بائی دا وے' تمہارا مشن امپاسبل کہاں تک پہنچا؟" شازمہ شاید کسی پیش رفت کا پوچھنا چاہ رہی

تھی۔
"ڈونٹ وری ڈیئر ممی! بہت جلد گڈ نیوز سننے کو ملے گی۔" شازمہ سے اثبات میں سرہلا دیا۔ پھر اس کے جلوے بکھیرتے حسن کو دیکھ کر کچھ طنزیہ انداز میں بولی تھی۔

"آف کورس۔۔۔ گڈ نیوز کا ہی انتظار ہے' کون کافر ہو گا جو تمہیں انکار کرے۔

گڈ لک ہے اس عام سے شاپ کیپر کی۔ ہائی فائی جنیٹری کا حصہ بن جائے گا۔ لائف اسٹائل چینج ہو گا۔ ایک ہی جمپ میں اپر کلاس کا نمائندہ بن جائے گا۔ اسے ویل اینڈ ہپی تو ہونا ہی ہے۔" شازمہ نے ماہ رو کے کھلے کھلے حسین روپ سے جیلسی فیل کرتے ہوئے پھر سے مٹھاس بھرا طنز کیا۔

"پلیز ڈونٹ مائنڈ۔۔۔ یو نو' میں تو بہت ٹرتھ فل ہوں۔ دل میں رکھتی نہیں۔ جو کہنا ہوتا ہے کہہ دیتی ہوں۔ چاہے برا لگے یا اچھا۔ تم کمفرٹنگ (راحت جاں) ہو' اپنے کنگ ڈم (راج پاٹ) کو انجوائے کرو۔ میں تمہارے پرسنل افیئرز میں انٹرفیئر نہیں کرسکتی۔ بٹ تمہارے ڈیڈی کے پرسنل ریلیشن کی وجہ سے بھی ۔۔ ہیلپ فل رہوں گی۔ اوکے پریٹی' بائے بائے۔" شازمہ نے دو انگلیوں سے ماہ رو کے چکنے گال کی ملائمت کو محسوس کیا اور ٹک ٹک چلی گئی تھی' جبکہ ماہم کچن میں کھڑی ہنس ہنس کر بے حال ہو رہی تھی۔ اس نے کریم بھرا ہاتھ منہ پہ رکھ لیا تھا۔ گویا ہنسی روکنے کی کوشش میں بے حال تھی۔

"مائی گاڈ۔۔۔ اس کو کیا ہوا تھا؟ ویری اسٹرینج؟ ایسی ایلو کیونسی (خوش بیانی) ایسی ویل فارمیڈ ایسی پولائٹ' ماہ رو! میرے بازو میں چٹکی کاٹنا' کیسی ایکٹریس عورت ہے یار! منٹوں میں پٹا گئی۔" ماہم کی ہنسی نہیں رک رہی تھی۔

"ماہ رو! تمہاری ساس بھی ایسی قیامت ہوئی تو ہو چکا تمہارا گزارا۔" ماہم نے لمبے لمبے سانس لے کر بمشکل کہا تھا۔

"نہیں۔۔۔ ہرگز نہیں۔۔۔ ان میں تو بہت ایلی گینسی ہے۔ وہ بہت ویل مینرڈ ہیں۔ ویری گریس فل لیڈی۔" وہ عون کی امی کو تصور میں رکھ کر بڑے دل سے تعریف کر رہی تھی۔

"آہم۔۔۔ ابھی سے ساسو ماں کو پٹانے والے اسٹائل۔۔۔" ماہم نے اسے ۔۔ چھیڑا تھا۔ پھر کچن سے نکل کر ماہ رو کے کہنے پہ میوزک چینج کر دیا۔ اب کوئی گائیکہ بڑی مدھر آواز میں غزل گا رہی تھی۔ یوں کہ ماہ رو کو لگا۔ جیسے اس کے جذبات کی عکاسی کر رہی ہو۔ اس کے دل کی دھڑکنوں میں ارتعاش آگیا تھا۔

وہ جو دعوے دار تھا شہر میں کہ سبھی کا نبض شناس ہوں
کبھی آکر مجھ سے پوچھتا کہ میں کس کے غم میں اداس ہوں

مصنفہ کی آواز کا جادو تھا۔ جس نے پورے ماحول پر سحر طاری کر دیا تھا۔ ایک مسحور کن ماحول میں گائیکہ کی آواز کا جادو سر چڑھ کے بولنے لگا۔ ماہ رو تو کسی اور ہی جہان میں نکل گئی۔ مغنیہ نے جیسے اس کے دل کا ہر درد بڑے پیار سے سروں کے نام پہ چھیڑ دیا تھا۔

یہ میری کتاب حیات ہے' اسے دل کی آنکھ سے پڑھ ذرا
میں ورق ورق تیرے سامنے' تیرے روبرو تیرے پاس ہوں

ماہ رو کے دل میں کہیں میٹھا میٹھا سا درد اٹھ گیا تھا۔ کہیں مٹھاس بھری ٹیسوں نے نغمہ چھیڑ دیا تھا۔ اس کے ہونٹ گائیکہ کی آواز کے ساتھ ہی ہل رہے تھے۔

یہ تیری امید کو کیا ہوا' کبھی تو نے غور نہیں کیا
کسی شام تو نے کہا تو تھا' تیری سانس ہوں تیری آس ہوں

ماہ رو کی سانس جیسے سینے میں رکنے لگی تھی۔ گھٹ گھٹ کر چلنے لگی تھی۔ چل چل کر تھمنے لگی تھی۔ یہ دیار دل میں کون آرہا تھا؟ یہ کس کے قدموں کی چاپ تھی۔

اس نے ریشمی گیلی پلکوں کو اٹھایا اور دنگ رہ گئی تھی۔ ماہ رو کے سامنے اس کا مجسم خواب کھڑا تھا۔ وہ الوژن نہیں حقیقت تھا۔ وہ حقیقت بن کے ماہ رو کے مقابل کھڑا تھا۔ اتنا قریب کے وہ ہاتھ بڑھا کر اس کی پیشانی چھو سکتی تھی۔ اتنا قریب کہ وہ اس کے گرم سانسوں کی مہک سن سکتی تھی۔ کیا وہ خواب تھا جو اتنا قریب تھا؟ اس انداز میں کہ ماہ رو اسے پہچان بھی نہ

پاتی۔ کوئی اور وقت ہوتا کوئی اور صورت حال ہوتی تو عون عباس کو اپنے اس بنگلے کے لاؤنج میں کھڑا پا کر وہ اپنی پوری زندگی خیرات کر آتی۔ کیا وہ ماہ رو کا یقین بن کر آیا تھا؟ کیا وہ ماہ رو کا عشق بن کر آیا تھا؟ اس نے دل کے مقام پہ ہاتھ رکھ لیا۔۔۔ اور دھڑکنوں کی تسبیح سننے لگی۔

اگر اس کے سارے گمان سچ ثابت ہو جاتے تو ماہ رو سرفراز اتنی بڑی شادمانی کا بار اٹھا سکتی تھی؟ ہرگز نہیں۔۔۔ تو پھر ایک بات اس کا وجدان کہہ رہا تھا۔ آج پہلی مرتبہ ماہ رو سرفراز کا مجسم خواب کسی الہامی کیفیت میں نہیں۔ ایک ایسے انداز میں جو کسی باشعور سمجھ دار انسان کا نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ آتش فشاں کا کوئی لاوا لگ رہا تھا۔ جو پھٹ رہا تھا۔ وہ ماہ رو سرفراز کو اپنی نسبت سے سرفراز کرنے نہیں بلکہ راکھ کرنے آیا تھا۔ ماہ رو سرفراز پہ حالت نزع طاری تھی۔ اس کی آنکھوں نے لہو رنگ خون چھلکاتی ندی کو دیکھا تھا اور اس کے بھرے بھرے کٹاؤ دار ہونٹوں سے زہر نکل رہا تھا۔ وہ ایسا ہی زہر دار لگ رہا تھا۔ وہ قہر بن کر ٹوٹ پڑا تھا اور اس کے سم قاتل میں لتھڑے الفاظ۔۔۔؟

"تمہیں دیکھ کر میں سمجھ گیا۔ تم ہر سمجھ سے بالاتر ہو۔ تم آسائشات میں گھری ہوئی آزادانہ ماحول کی پروردہ 'لبرل ازم کے نام پہ 'بے حیا' بے باک' تمہاری لیے ہر اچھی صورت کی مرد کو محبت کے نام پہ جھانسا دینا مشکل نہیں ہو گا۔ تمہاری سوسائٹی میں آٹھ دس افیئرز' چھوٹے موٹے عشق' ہلکی پھلکی محبتیں یقیناً" ایک ماڈرن رواج کے تحت پروان چڑھتی ہوں گی۔ لیکن ہمارے ہاں اس تمام عشق پیچاں کے کھیل کو بے حیائی اور بے غیرتی تصور کیا جاتا ہے۔ ہم لوگ خاندان 'روایات' اقدار اور حدود و قیود پہ جان دیتے ہیں۔ عزت ہمارا اثاثہ ہے۔ کردار ہمارا سرمایہ ہے اور حیا ہماری وراثت ہے اپنے نفس کو طشتری میں سجا کر لذت اور صرف لمحاتی لذت کے پیچھے خوار ہونے والی عورتوں سے مجھے گھن آتی ہے گھن۔۔۔" اس نے ہنوز سابقہ دھیمے غراتے لہجے میں ماہ رو کے قریب آتے ہوئے ایک زور دار دھکا دیا تھا۔ وہ کٹے ہوئے شہتیر کی طرح لہرا کر زمین پر گری تھی۔۔۔ اور تب عون عباس نے اس کے قریب فرش پہ تھوک دیا تھا۔

"میں تمہارے منہ پر تھوک رہا ہوں۔۔۔ اس لیے کہ تمہیں ہمیشہ یاد رہے کسی مجھ جیسے مرد کو محبت کے نام پر اداؤں کے جال میں پھنسا لینا اتنا آسان بھی نہیں۔۔۔ اور میرے اختیار میں ہوتا تو تمہیں ویسا ہی طمانچہ رسید کرتا جو میرے باپ نے میرے منہ پہ مارا تھا۔ صرف تمہاری وجہ سے۔" وہ جس طرح طوفانی انداز میں آیا تھا۔ اسی طرح گرم' پرحدت جھونکے کی طرح پلٹ گیا۔ یوں کے فرش پر گری ماہ رو کے جسم میں جنبش تک نہیں ہوئی تھی۔ حرکت تک نہیں ہوئی تھی۔

کچن کے ڈور فریم میں کرسٹل کی ڈش میں تازہ بتازہ کیک رکھے کھڑی ماہم کو بھی جیسے جھٹکا لگا تھا۔ اس کے ہاتھ سے کرسٹل کی ڈش گری اور چکنا چور ہو کر فرش پہ بکھر گئی۔

وہ جیسے گہری نیند سے ہڑبڑا کر ماہ رو کی طرف دیوانہ وار لپک کر آئی تھی۔ پھر اس نے چیخ چیخ کر سارا گھر اکٹھا کر لیا تھا۔ کیونکہ ماہ رو خرد سے بیگانہ ہو چکی تھی۔

✻ ✻ ✻

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)